خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
عید نمبر
مدیرہ اعلیٰ
سلمیٰ کنول
digest library.com

کھلتی کلیاں مہکتے سویرے

اقراء صغیر احمد

Digest Novels Lovers Group
Digest Library.com

عید آئی ہے مسرت کی پیامی بن کر
وہ مسرت جو تیری دید سے وابستہ ہے
کیوں نہ ہو عید کی آمد سے مسرت دل کو
جب تیری دید، عید سے وابستہ ہے

دور غروب ہوتے سورج کی زرد زرد روشنی موسم سرما کی اس گلابی شام میں عجیب سی اداسی پھیلا رہی تھی ماحول پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوا اپنے اندر بھرپور خنکی لیے ہوئی تھی۔

درمیانی سیڑھی پر وہ سر جھکائے اپنی سوچوں اور خیالوں میں گم تھی۔ نومبر کا مہینہ اس کے لیے اداسی اور وحشتوں کی سوغات لے کر آتا تھا۔

اس مہینے میں آج سے بائیس سال قبل جب اس نے دنیا میں آ کر آنکھیں کھولی تھیں' اس وقت اس کی ماں کی اس طرح آنکھیں بند ہوگئی تھیں ہمیشہ کے لیے۔ اس کی آمد کا پہلا دن' اس کی ماں کی زندگی کا آخری دن ثابت ہوا۔

ابتدائی چند سالوں تک وہ دادی اور نانی کی آغوش میں پرورش پاتی رہی۔ جب چھوٹی امی چھوٹے چچا کی ڈیتھ کے بعد کوئٹہ سے کراچی تباشیر کے ساتھ ہمیشہ کے لیے آ گئیں تو انہوں نے اسے بڑی چاہ سے اپنی ممتا کے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔

ان کی محبت میں اتنی سچائی اور خلوص تھا کہ نانی جان جو بہوؤں کے ناروا سلوک کے باوجود مرحومہ بیٹی کی محبت میں اسے کچھ ہفتے اپنے پاس رکھتی تھیں' ان کی محبت سے مطمئن ہوکر اسے ان کے سپرد کر دیا تھا۔ کبھی کبھی وہ ان سے ملنے چلی جایا کرتی تھی۔ نانی جان کبھی مظلوم بہو تھیں اور آج بے زبان ساس تھیں۔ ایسے معصوم و بے خبر لوگ کبھی بھی حکمرانی نہیں کر سکتے۔ خاموشی سے دوسروں کی خدمت و غلامی کو شعار بنانے والے لوگوں کو کبھی ان کا حق نہیں ملتا' پہلے انہوں نے سسرالیوں کی خدمت کی' اب بہوؤں اور بیٹوں کی کر رہی تھیں۔ اس کے باوجود انہیں اتنا اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ اس کو اپنے پاس رکھ سکیں۔ اس کا چند دنوں کا آنا ہی تینوں ممانیوں کے چہروں کے زاویے بگاڑ دیا کرتا تھا۔ ''دنیا میں آتے ہی منحوس ماں کو کھا گئی' اب ہمارے بچوں کا حق کھانے آتی ہے۔'' بڑی ممانی جن کا تعلق امیر کبیر گھرانے سے تھا انہیں ہر لمحہ اپنے بچوں کے ''حق'' کی فکر ستائے رکھتی۔ منجھلی اور چھوٹی ممانیاں

تو اسے ایک نگاہ دیکھنا پسند نہ کرتی تھیں۔

نانی کے مقابلے میں دادی جان بہت بارعب اور مضبوط شخصیت کی مالک تھیں۔ دادا جان کے انتقال کے بعد بھی ان کی حکمرانی اور رعب میں سر مو فرق نہیں آیا تھا۔ وہ بہوؤں' بیٹیوں اور دامادوں کو ان کے مقام پر لے کر چلنے کی عادی تھیں۔ یہ ان کی دانشمندی اور بہترین انتظامی امور کا نتیجہ تھا کہ آج تک ان کی مانی جاتی تھی۔ اس دور میں بھی ان کا خاندان یگانگت ومحبت کی بہترین مثال تھا۔

چھوٹی امی نے اسے سگی ماں سے بڑھ کر محبت دی تھی اپنے اکلوتے بیٹے تباشیر سے زیادہ اسے چاہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت ڈری سہمی خاموش رہنے والی لڑکی ہر بات بلاچون وچرا مان لیتی تھی' ضد اور غصہ اسے چھو کر نہیں گزرا تھا' جبکہ تباشیر تو ایک طوفان بلاخیز تھا۔ غصہ' ضد ہٹ دھرمی وخودسری اس کی رگوں میں بہتی تھی۔

اس کی شرارتیں بھی بڑی خوفناک ہوا کرتی تھیں۔ وہ بے حد موڈی تھا۔

سخاوت پر آتا تو حاتم طائی کی روح کو شرمندہ کر ڈالتا۔ جب جہالت اس پر سوار ہوتی تو اچھے اچھوں کے سکھ چین تباہ وبرباد ہو جاتے تھے۔ کسی سے ڈرنا' رعب میں آنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ دادی جان کی طرح اسے بھی حکمرانی کا شوق تھا۔ بچپن سے چھوٹے' بڑے' بچوں پر رعب جمایا کرتا تھا۔ مگر اس کی عنایتوں وکرم نوازیوں سے بھی وہ لوگ پورا' پورا حصہ وصول کرتے تھے۔ وہ ان کا بہترین دوست' ہمدرد وپرخلوص ساتھی تھا۔ اگر دشمنی تھی تو صرف اسی سے تھی' بچپن سے آج تک وہ اسے نظر انداز کرتا آیا تھا۔ اس کی محبتوں پر اس نے ڈاکا ڈالا تھا۔ اس کی ماں کو اس سے چھین لیا تھا' غاصب تھی وہ۔

ایک دیوار تھی جوان ماں' بیٹے کے درمیان آ گئی تھی۔

اس کا خیال تھا' امی ساری محبت اس پر لٹا دیتی ہیں۔ بچی کھچی اس کے حصے میں آتی ہے۔ محبت میں شراکت اسے کبھی برداشت نہیں تھی۔ اس طرح وہ ہمیشہ اس کے غیظ وغضب کا شکار رہی۔ جب معصوم تھی' تب وہ اس کی پرچھائیں سے بھی چھپ جایا کرتی تھی۔ مگر شعور کی سرحدوں میں قدم رکھتے ہی اس کے ڈر اور خوف نے بہادری اور مقابلے کی راہ دیکھ لی۔ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف سمت چلتے رہتے۔

''خولہ! اے خولہ! کہاں گم ہو بھئی' مغرب کی نماز کا وقت نکلا جارہا ہے اور تم یہاں مراقبے میں بیٹھی ہو..... چلو جلدی اٹھو نماز پڑھو۔'' تائبہ جو ابھی نماز پڑھ کر اسی کی تلاش میں آئی تھی۔ چھت کی سیڑھیوں پر نیم اندھیرے میں اسے بیٹھا دیکھ کر ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''تنگ مت کرو' پلیز جاؤ' مجھے یہاں بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔'' وہ اس سے ہاتھ چھڑا کر بیزاری سے گویا ہوئی۔

''پاگل ہوگئی ہو کیا؟ یہاں اندھیرا ہو رہا ہے اور پھر نماز کا وقت نکلا جارہا ہے۔''

''تم نے پڑھ نا' بس بہت ہے جب میرا دل چاہے گا' پڑھ لوں گی۔''

''اے محترمہ! مذہب کا تعلق دل سے نہیں فرض سے ہوتا ہے' ایمان سے ہوتا ہے۔ نماز کوئی اخبار یا رسالہ نہیں ہے کہ جب دل چاہا پڑھا اور جب دل چاہا چھوڑ دیا' یہ وہ تعلق ہے جو سانس کے ساتھ ہی ٹوٹ سکتا ہے۔ چلو شاباش اٹھو۔'' تائبہ نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے نرمی سے سمجھایا۔

''قسم سے پہلی بار دیکھ رہا ہوں' اپنے نام کی طرح کام کرنے والی لڑکی کو۔'' تبارک نیچے والے زینے سے ہنس کر گویا ہوا۔

''کیا مطلب؟''

''تائبہ کے معنی ہیں۔ گناہوں سے توبہ کرنے والی' اور تم تو دوسروں کو بھی گناہوں سے توبہ کروانے پر تلی ہوئی ہو.....'' وہ خولہ کی طرف شرارتی نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔

''اس کا کریڈٹ دادی جان کو جاتا ہے' جنہوں نے ہماری یہ عادت ڈالی ہے کہ ہم دوسرے کی نمازوں اور تلاوت کا خیال رکھیں' اس طرح کوئی کوتاہی کرنا بھی چاہے تو نہیں کرسکتا۔''

Novels Digest

تائبہ نے اسے نماز پڑھوا کر ہی چھوڑا تھا۔

"سوری اللہ میاں جی! معاف کر دینا مجھے۔ بعض اوقات شیطان بہکا دیتا ہے۔"

نماز ادا کر کے اٹھی تو اپنے ہی خیالوں میں کہے گئے جملوں پر خود ہی پشیمانی سے گویا ہوئی تھی۔

☆☆☆

"مجھے لگتا ہے' خبیث مر گیا آج' جو ابھی تک نہیں آیا....." نوریرا جو فجر کے بعد سے اب تک گیٹ کے درجنوں چکر لگا چکی تھی۔ جلی بھنی سی جھٹکے سے کرسی پر بیٹھ کر بولی۔

"کس کو کوسا جا رہا ہے' صبح ہی صبح؟" خولہ اور تائبہ ساتھ آئی تھیں۔

"بے چارے ہاکر کی شامت آئی ہے۔" ٹیبل پر ناشتے کے برتن سیٹ کرتے ہوئے نمرہ نے اطلاع دی' جب کہ ہادیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"تم' اپنے یہ چڑیلوں جیسے دانت اندر کرلو ورنہ قتل ہوجاؤ گی میرے ہاتھوں۔" ہادیہ کی ہنسی نے اس کی اشتعال انگیزی میں اضافہ کر دیا تھا۔

"کیا کر دیا ہاکر نے؟ کیوں اتنا غصہ کر رہی ہو؟" تائبہ اس کے قریب بیٹھ کر بولی۔

"اس کے من پسند ناول کی آخری قسط آنی ہے اس ماہ' اسے پڑھنے کے لیے ہی اس قدر بے چین ہے۔" ہادیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کل میں نے ہاکر سے پوچھا تھا' ڈائجسٹ کب آئے گا۔ اس نے کہا' آج آئے گا اور صبح اخبار کے ساتھ وہ بھی ڈال جاؤں گا۔" کل سے ایک ایک لمحہ گن گن کر گزارا ہے۔

نماز پڑھ کر باہر صحن میں گئی تو اخبار تھے مگر ڈائجسٹ نہیں تھا۔

"تو ہاکر کو کیوں کوس رہی ہو' جب اخبار تھے تو ڈائجسٹ بھی وہیں ہوگا۔"

"نہیں ہے' میں نے کئی بار پورا صحن دیکھ لیا ہے۔ پچھلے ماہ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ آٹھ بجے دوبارہ آ کر ڈائجسٹ دے کر گیا تھا مگر اب نو بج چکے ہیں۔ نہ اس کا پتہ ہے اور نہ ڈائجسٹ کا' میرا دل چاہ رہا ہے اڑ کر کہیں سے ڈائجسٹ لے آؤں....." اس کی بے تابی و شوق جنوں حد سے سوا تھا۔

"اتنی دیوانگی و بے تابی اچھی نہیں ہوتی' وہ بھی ایک کہانی کے لیے....." ہادیہ نے سرزنش کی۔

"درست کہہ رہی ہے نمرہ' اتنی گہرائی سے مطالعہ نہ کیا کرو' تمہاری ہر ماہ یہی کیفیت ہوتی ہے۔ کیوں اتنا انوالو کر لیتی ہو خود کو اسٹوری میں؟"

"سب اسٹوریز ایسی نہیں ہوتیں آپی! کوئی کوئی اسٹوری میں ہمیں اپنا آپ جھلکتا محسوس ہوتا ہے' اس کے کرداروں میں ہم خود بخود شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر اس حد تک ان کرداروں سے انسیت ہو جاتی ہے کہ ہم ان کے بغیر ادھورے محسوس ہوتے ہیں۔"

"اللہ رے اتنی حساسیت' نہ معلوم تمہارا کیا بنے گا؟"

"ہادیہ! تمہاری کمر پر چھپکلی۔" خولہ نے اچانک خوف زدہ لہجے میں کہا تو ہادیہ نے دلدوز چیخ مارتے ہوئے سوئیٹر کی زپ کھول کر سوئیٹر اتار کر دور پھینکا۔

سوئیٹر اتارتے ہی دھپ سے دیدہ زیب ٹائٹل والا ڈائجسٹ فرش پر گرا تھا۔ ان چاروں کی نگاہیں ڈائجسٹ پر تھیں' جب کہ ہادیہ تیزی سے اپنا لباس جھاڑ رہی تھی۔ نوریرا نے جھپٹ کر ڈائجسٹ اٹھایا اور ہادیہ کو گھور کر بولی۔

"چڑیل! سمجھ لوں گی تم سے' ذرا یہ قسط پڑھ کر آ جاؤں۔"..... وہ کہتی ہوئی وہاں سے نکل گئی..... خولہ کی چالاکی ہادیہ کی اب سمجھ میں آئی تھی۔

"اس کی حمایت میں تم نے مجھ سے جھوٹ بولا؟" وہ خولہ پر بگڑی۔

"تم بھی تو اسے اتنی دیر سے تنگ کر رہی تھیں۔"

"تمہیں محسوس کیسے ہوا کہ اس نے ڈائجسٹ چھپایا ہوا ہے؟" نمرہ ہنس کر بولی۔

"اس کی پراسرار ہنسی اور بار بار سوئٹر درست کرنے سے مجھے شک ہوا تھا۔"

’’ایسے مذاق اچھے نہیں لگتے......‘‘ نمرہ نے اسے سرزنش کی۔

’’اچھا...... پرسوں جو اس نے مجھے دادی سے ڈانٹ پڑوائی تھی جھوٹ بول کر۔‘‘

’’دادی سے ڈانٹ آج سب کھائیں گے جو مزید پانچ منٹ لیٹ ہوئے ناشتہ لگانے میں۔ چلو ہادیہ تم سب کو اطلاع دو ناشتہ لگنے کی، ہم اتنی دیر میں ٹیبل سجا لیتے ہیں۔‘‘ خولہ اسے ہدایت دے کر آگے بڑھی تھی۔

Digest Novels Urdu

☆☆☆

کمرے کا منظر عجیب تھا۔ تمام کزنز نویرا سے تعزیت کرنے کمرے میں جمع تھے۔ لبوں پر دبی دبی مسکراہٹوں کے ساتھ وہ اس سے تعزیت کر رہے تھے اور خود اس کا رو رو کر برا حال تھا۔ صبح سے اس نے اب تک کچھ نہیں کھایا تھا۔ صدمے اور دکھ سے اس کی بھوک پیاس مر گئی تھی۔

’’ہائے بے چارا عامر، کتنا ہینڈسم اور خوب صورت تھا، لڑکیاں کس قدر جان دیتی تھیں اس پر۔‘‘

’’چلو اچھا ہوا مر گیا ورنہ جو لڑکیاں اس پر جان دینے سے بچ گئیں اگر وہ بھی مر جاتیں تو عامر صاحب اپنی بے رخی و بے نیازی کے مظاہرے کس کو دکھاتے؟‘‘

ہادیہ نے اس کے دکھ کو کم کرنے کی کوشش اپنے انداز میں کی۔

’’پلیز، تم لوگ چلے جاؤ یہاں سے، مجھے تنہا چھوڑ دو......‘‘ وہ چیخ کر بولی۔

’’کیا ہوا؟‘‘ خولہ جو چھوٹی امی کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی تھی، کمرے میں آتے ہی پریشانی سے استفسار کرنے لگی۔

’’عامر مر گیا......‘‘ تانیہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

’’کک...... کون عامر؟‘‘

’’نویرا کے پسندیدہ ناول کا ہیرو، عامر نام تھا اس کا۔‘‘ انہیں ہنسی ضبط کرنا دشوار تھا۔

’’اوہ، یہ نویرا اس کے لیے رو رہی ہے؟‘‘ وہ حیرانی سے نویرا کی طرف بڑھی۔

’’ہاں۔‘‘ اس بار کورس میں ان کے قہقہے گونجے تھے جبکہ خولہ نے نویرا کی حساس طبیعت کو جانتے ہوئے انہیں زبردستی کمرے سے نکالا اور دروازہ اندر سے لاک کر کے اس کے قریب بیٹھ گئی جو گھٹنوں میں منہ چھپائے رونے میں مصروف تھی۔

’’یہ کیا بے وقوفی ہے؟ کیوں اپنا مذاق بنواتی ہو؟ فرضی کردار کی موت پر کیوں اپنی آنکھوں کے سچے موتی لٹا رہی ہو۔ کہانیوں میں ایسا تو ہوتا رہتا ہے۔‘‘ اس نے بہت پیار سے چہرہ اونچا کر کے اپنے دوپٹے سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے سمجھایا۔

’’تین سال سے اس ناول کو پڑھ رہی تھی۔ اتنے عرصے میں کرداروں سے محبت ہو ہی جاتی ہے۔‘‘

’’اچھا چھوڑو، چلو آؤ ہاتھ منہ دھوؤ، میں چائے کے ساتھ کچھ لاتی ہوں......‘‘ وہ اسے باتھ روم کی طرف دھکیل کر کمرے سے نکل گئی......

رات سے خوب سردی میں اضافہ ہوگیا تھا، تیز ہواؤں میں برف کی ٹھنڈک گھلی محسوس ہو رہی تھی۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد وہ کچن کی صفائی میں لگ گئی چھوٹی امی جوڑوں کے درد کی بیماری میں مبتلا تھیں۔ سردیوں میں یہ بیماری اتنی شدید ہو جاتی کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور سی ہو جاتی تھیں۔ ایسے میں کام کا تمام بوجھ اس پر آ جاتا تھا جو وہ خوش اسلوبی سے نبھایا کرتی تھی۔ ویسے تو سب مل جل کر رہتے، ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ مگر چھوٹی امی کے ذاتی کام کسی اور سے کروانا اسے بالکل پسند نہ تھا۔

پچھلے دو ماہ سے نانی سے ملنے نہ جا سکی تھی۔ آج کل ان کی یاد بڑی شدت سے آ رہی تھی۔ اس گھر میں اسے بہت پیار ملا تھا۔ مگر شاید ہر رشتے کی محبت کا لمس جدا ہوتا ہے۔ چھوٹی امی نے اسے ماں سے بڑھ کر پیار دیا تھا تو دادی کی چاہت کی کوئی حد ہی نہیں تھی، مگر پھر بھی نانی جان کے سینے سے لگ کر اس کے اندر ایک اطمینان و سکون کا احساس جاگ اٹھتا تھا۔ ان کے وجود سے ایک ایسی مہک اٹھتی تھی جو اس کی وحشتوں کو سکون دیتی تھی۔ بے کل

اور بے چین قلب کو چند لمحوں کے لیے شانت کر دیا کرتی تھی اور یہ لمحے اسے اپنی زندگی کا حاصل لگتے تھے۔ چھوٹی امی کی یہ بے ریا محبت ہی تھی جو وہ اس کے چہرے کے رنگوں سے اس کی خواہشوں اور احساسات کو جانچ لیا کرتی تھیں۔ انہوں نے کہا بھی تھا کہ وہ نانی سے مل کر آ جائے' بہت دن ہو گئے ہیں' اسے ان سے ملے ہوئے۔ مگر ہر بار وہ ان کی وجہ سے مسکرا کر ٹال گئی تھی۔

''خولہ! آج خالہ (نانی جان) کے ہاں چلی جاؤ' کافی ہفتے ہو گئے ہیں۔ وہ بھی انتظار کر رہی ہوں گی' میری طبیعت اب پہلے سے بہتر ہے پھر بچیاں چکر لگاتی رہتی ہیں۔ دونوں بھابیاں بھی کام سے فارغ ہو کر آ جائیں گی.....'' وہ ان کی چوٹی باندھ کر اٹھی تو انہوں نے بڑی شفقت سے کہا۔

''چلی جاؤں گی مگر کچھ دن بعد۔ آپ کی طبیعت ذرا اور بہتر ہو جائے۔'' اس نے ان کے نزدیک بیٹھ کر کہا تو فرط مسرت سے انہوں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''میں بہتر ہوں میری جان! میری فکر مت کرو' میں جانتی ہوں' تمہارا بھی دل چاہ رہا ہے وہاں جانے کو مگر میری وجہ سے برداشت کر رہی ہو۔ جاؤ تیار ہو جاؤ۔''

''امی جان! آپ کو کبھی غیروں کے ناز نخرے اٹھانے سے فرصت ملے تو ایک آدھ نظر عنایت اس بدنصیب پر بھی ڈال لیا کیجئے۔'' تباشیر ٹاول سے بال رگڑتا ہوا آیا' تو وہاں کا منظر دیکھ کر منہ بنا کر بولا۔ ایسے مناظر اسے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے جس میں اس کی ماں اس سے زیادہ اس بدتمیز لڑکی پر چاہت لٹاتی نظر آتیں' بچپن سے باشعور ہونے تک اسے یہی شکایت رہی تھی کہ امی اس سے زیادہ اس لڑکی کو محبت دیتی ہیں۔

''ماشاءاللہ' اونٹ جیسا قد ہو گیا ہے مگر بچپنا نہیں گیا تمہارا۔ ناشتہ کر لو۔ آفس جاتے ہوئے خولہ کو نانی کے ہاں ڈراپ کرتے ہوئے جانا۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

''سوری امی! آج مجھے جلدی آفس جانا ہے اور.....''

''کوئی بات نہیں' فیضان کو فون کر دوں گی' وہ آ کر لے جائے گا مجھے۔'' وہ کون سا اس کے ساتھ جانے کو مری جا رہی تھی۔ تیزی سے اس کی بات قطع کر کے بولی۔

''اونہہ! وہ تو ہے ہی خدمت گار.....'' وہ بڑبڑایا۔ خولہ سنی ان سنی کرتی ہوئی کچن میں اس کے لیے ناشتہ لینے چلی گئی کہ لمحے بھر کی بھی دیر ہوئی تو باتیں بنائے گا۔

''اف' اس گھر میں کوئی کام پورا تو ہوتا ہی نہیں ہے۔'' وہ ناشتہ لے کر آئی تو اس کی غصے بھری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور فوراً ہی اسے یاد آیا کہ پریس کرتے وقت اس کے کالر کا بٹن نکل گیا تھا اور اس وقت بٹن لگانے کے لیے وہ سوئی دھاگہ بھی لے آئی تھی مگر امی کے آواز دینے پر وہ گئی تو بعد میں یاد نہ آیا۔

''کیا ہوا بیٹے! کیوں غصہ کر رہے ہو؟''

''کالر کا بٹن غائب ہے۔''

''اس میں اتنا غصہ ہونے کی کیا بات ہے' لاؤ میں لگا دوں۔''

''اپنی لاڈلی کو کچھ مت کہیئے گا جس سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا۔ میں نے کتنی مرتبہ کہا ہے میری ہر چیز پہلے سے تیار رکھا کرو۔ اور یہ بٹن وغیرہ تو پہلے دیکھنے چاہئیں۔ میں تنخواہ دار آدمی ہوں' ایک سوٹ کو کئی بار پہننا ہوتا ہے۔ کوئی لینڈ لارڈ نہیں ہوں جو ایک دفعہ کے بعد دوبارہ سوٹ استعمال نہیں کروں گا۔'' وہ حسب عادت شروع ہو گیا۔

''خاموش رہو..... اس قدر کام کرتی ہے بچی' اگر کچھ رہ جائے تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے تمہیں تو عادت پڑ گئی ہے' ذرا ذرا سی بات پر اس غریب کے فضیحتے کرنے کی۔'' انہوں نے عدل پسند طبیعت کے باعث انصاف کی بات کی۔ خولہ نے خاموشی سے سوئی دھاگہ اور بٹن اٹھایا اور اس کے قریب آ گئی۔

''لائیں شرٹ دیں۔''

''ایسے ہی لگا دو' اب میں تمہارے لیے شرٹ اتارتا رہوں؟'' اس نے قریب آ کر خاموشی سے بٹن لگانا شروع کیا۔ بٹن کالر کا تھا۔ قد اس کا گھر میں تمام لڑکیوں

Digest Novels Lovers Group

سے اونچا تھا مگر اس کے مقابل کالر میں بٹن لگانے کے لیے اسے ایڑیوں کے بل کھڑا ہونا پڑا تھا۔ وہ ایسے اکڑا کھڑا تھا' گویا اس کی سات پشتوں پر احسان عظیم کر رہا ہو البتہ گاہے بگاہے نگاہیں اس کے کچھ نروس چہرے پر بھی ڈال لیتا تھا۔ پہلی دفعہ وہ اس کے اس قدر قریب کھڑی تھی۔ عجیب بوکھلائی' گھبرائی' جھنجلائی جھنجلائی سی۔ اس کی سانسوں کی گرماہٹ وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔ یک دم ہی اس نے ناک پر ہاتھ رکھ لیے تھے' جب اس نے حسب عادت دانتوں سے دھاگہ توڑا تھا۔

''اوف......! تم دانت برش نہیں کرتیں؟ توبہ کس قدر بو آ رہی ہے۔'' اس نے شکریے کے طور پر تضحیک آمیز طنز مارا تھا۔

''بو میرے دانتوں سے نہیں' آپ کے کڑوے مزاج سے آ رہی ہے سمجھے۔'' وہ بھی اسی انداز میں بولی۔

''چھوڑو بیٹی' کیوں خون جلاتی ہو' اس کی تو عادت ہے فضول بکواس کی۔ تم جلدی سے فیضان کو فون کر کے تیار ہو جاؤ' جب تک وہ آئے گا تمہاری تیاری ہو جائے گی۔'' امی نے ہمیشہ کی طرح امن کا جھنڈا لہرایا تھا۔

امی خاموش ہی ہوئی تھیں کہ فیضان سلام کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی تباشیر آہستگی سے بڑبڑایا۔

''نام لیا اور شیطان حاضر......'' اس نے جھک کر چائے بنانی خولہ کو بطور خاص جتایا۔

''آؤ...... آؤ بیٹا! ماشاءاللہ عمر دراز ہے تمہاری' ابھی میں تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی۔'' امی نے سلام کے جواب میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

''جی آنٹی! جو دل سے پکارتے ہیں تو دل کو خبر ہو ہی جاتی ہے۔'' وہ کنکھیوں سے خولہ کی جانب دیکھتا ہوا تباشیر سے ہاتھ ملانے لگا۔ تباشیر نے اسے ناشتے کی آفر کی تھی۔ لیکن ناشتہ وہ کر کے آیا تھا اس لیے صرف چائے پی تھی اس نے۔

''دادی جان بہت یاد کر رہی ہیں خولہ کو انہوں نے اسے لینے کے لیے بھیجا ہے۔''

''ہاں لے جاؤ' بیٹی جلدی تیار ہو کر آ جاؤ۔'' خولہ وہاں سے کمرے میں چلی آئی تو پیچھے پیچھے تباشیر بھی چلا آیا۔

''جلدی واپس آ جانا' کہیں رک جاؤ جا کر' امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''مشورے کا شکریہ...... مجھے احساس ہے کہ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

اس سے بات کرتے وقت اس کا لہجہ ایسا ہوتا تھا' جیسے کوئی شہنشاہ اپنی ادنیٰ کنیز کو بڑی حقارت سے حکم دے رہا ہو۔ یہی بات اسے سلگا کر رکھ دیا کرتی تھی۔

''واہ' تمہارے احساسات کے کیا کہنے۔'' وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا اور اس نے آگے بڑھ کر زوردار آواز میں دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

نانی جان بہت پرجوش انداز میں اس سے ملیں۔ کافی دیر تک اسے سینے سے لگا کر بیٹھی رہیں' اپنی کمزور لرزتی انگلیاں دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں پھیرتی رہیں۔ فرداً فرداً گھر کے لوگوں کا احوال پوچھنے لگیں۔

''بہت یاد آ رہی تھی تمہاری' مگر میں جانتی تھی' ان دنوں آصفہ کی تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے تمہیں بلوایا نہیں مگر رات سے طبیعت اس قدر گھبرا رہی تھی کہ میں نے فیضان سے کہہ کر تمہیں بلوا لیا......'' انہوں نے سوہن حلوہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''چھوٹی امی تو کئی بار اصرار کر چکی تھیں مگر مجھے اچھا نہیں لگا' انہیں تکلیف میں چھوڑ کر آنا' آج بھی وہ کہہ رہی تھیں کہ فیضی پہنچ گیا......'' اس نے مزے سے حلوہ سوہن کھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں اللہ خوش رکھے اس کو' بہت خیال رکھتا ہے میرا ورنہ گھر والوں کے لیے تو میرا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ تمہاری ممانی نے دونوں بیٹیوں کی بات پکی کر دی ہے' کئی بار ان کے سسرال والے آئے ہیں مگر مجال ہے جو ایک بار بھی مجھے ان سے ملایا ہو......''

ان کے آزردہ لہجے میں گھر کی بزرگ ہونے کے باوجود نظر انداز کر دینے کا دکھ بول رہا تھا۔

Digest Library.com

''نانی جان! کیوں دکھی ہوتی ہیں۔ان کے رویئے تو شروع سے ہی ناروا ہیں۔ بڑوں کا احترام کرنے کی تربیت ممانی جان کو اپنے گھر سے حاصل نہ ہوئی اور نہ ہی انہوں نے اپنے بچوں کو تمیز و آداب سکھائے فیضان کسی کی دعا سے بچ گیا۔

بہر حال وہ آج جو بو رہی ہیں' وہی کل کاٹیں گی' اس دنیا میں مکافات عمل بہت جلد شروع ہو جاتا ہے۔ اس میں زیادہ قصور ماموں کا ہے جنھیں ماں کی فکر اور آخرت کا خیال ذرا بھی نہیں ہے۔''

''میں سوچتی ہوں کسی کو برا کیوں کہوں۔اس وقت کا چلن ہی کچھ بے حسی و بے مروتی کا ہے۔''

''نانی جان!'' قصور وقت کا نہیں ہوتا' انسانوں کے احساسات کا ہوتا ہے۔ہم کیوں وقت کو دوش دیتے ہیں۔ میں نے قدرت کے اصولوں کو بدلتے کبھی نہیں دیکھا' آتے جاتے موسم' ڈھلتے' ابھرتے دن رات' چمکتے دمکتے چاند سورج' انسان کی پیدائش و موت سب' اسی طرح نظام قدرت رواں دواں ہے' کہیں کوئی کمی و بیشی نہیں ہے۔

یہ تو انسان کے اپنے اغراض و مقاصد ہوتے ہیں جن کے حصول کے لیے وہ کتے کی طرح دم ہلا کر پاؤں چاٹتے ہیں تو مطلب براری کے بعد توتے کی طرح آنکھیں بدل لیتے ہیں۔''

''چھوڑو ان باتوں کو' میں بھی بے وقوف ہوں' کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی۔'' اسے افسردہ دیکھ کر انھیں احساس ہوا کہ وہ اتنے عرصے بعد آئی ہے تو کوئی اچھی بات کرنا چاہیے۔

''میں نے محسوس کیا ہے جو کمزور بہو ہوتی ہے' وہ کبھی مضبوط ساس نہیں بن سکتی' آپ اپنا منصب سنبھال کر ان بہوؤں کو ان کی اوقات پر رکھتیں تو آج آپ اپنوں کے ہوتے ہوئے اس تنہائی و بے قدری کا شکار نہیں ہوتیں۔''

اسے ان کا ابتر کمرہ دیکھ کر غصہ آ رہا تھا۔ڈھیروں ملازمین کی موجودگی میں ان کا کمرہ گرد آلود ہو رہا تھا۔سنگل بیڈ پر بچھی چادر اور تکیے پر چڑھا غلاف میلا تھا' نیچے کارپٹ پر دھول دائرے بنا چکی تھی۔ ملازم بھی مالکوں کے مزاج دیکھ کر کام کرتے ہیں۔گھر والوں کی عدم دلچسپی و لاپروائی نے ان کے حوصلوں کو بھی ہوا دی تھی۔

''جا کر ممانی کو سلام کر آؤ' ورنہ ناراض ہوں گی کہ ملنے بھی نہیں آئی.....'' انھیں خیال آیا۔

''ان کی ناراضگی کی آپ پروا کرتی رہیں' مجھے نہیں ہے۔انھیں کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ فون کر کے خیریت معلوم کر لیں کہ اتنے عرصے سے آ کیوں نہیں رہی۔''

''جب برے لوگ اپنی برائی ترک نہیں کرتے تو ہم کیوں ان کی خاطر اپنی اچھائی چھوڑیں۔'' انہوں نے ملائمت سے اسے سمجھایا تو ان کے خیال سے وہ اندر ممانی اور ان کی دونوں بیٹیوں سے ملنے چلی گئی مگر ملازمہ سے معلوم ہوا کہ وہ تینوں ماں' بیٹیاں کہیں باہر گئی ہوئی ہیں اور ان کی واپسی کا کچھ معلوم نہیں۔ ملال کی گہری لہر اس کے اندر تک اتر گئی یہ سوچ کر کہ انہوں نے نانی جان کو مطلع تک کرنا گوارا نہیں کیا تھا اور نانی کو یہ خوف تھا کہ کہیں بہو اور پوتیاں اس بات پر ناراض نہ ہو جائیں کہ نواسی نانی کے پاس پہلے پہنچ گئی۔انھیں سلام تک نہ کیا۔

''کیا ہوا؟'' اسے الٹے قدموں واپس آتے دیکھ کر نانی نے استفسار کیا۔

''وہ کہیں باہر گئی ہیں۔'' اس نے وارڈ روب سے دھلی ہوئی بیڈ شیٹ نکالتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی' اپنی مرضی کی مالک ہیں۔یہی احسان کیا کم ہے کہ انہوں نے مجھے اپنے گھر میں بٹھا رکھا ہے ورنہ دونوں چھوٹی بہوؤں سے تو یہ بھی توقع نہیں ہے' بیٹیوں کو تو میں یاد ہی نہیں۔''

اس نے حیرت سے نانی کو دیکھا جن کے لہجے میں طنز نہیں' ممنونیت تھی۔

''آپ کی اسی سادگی نے تو آپ کو یہ مقام دلایا ہے۔ ورنہ یہ گھر تو آپ کا ہے اگر آپ یہاں رہتی ہیں تو کسی پر بوجھ نہیں ہیں۔ ماموؤں کو اپنے بزنس سے فرصت ملے تو کسی کی خبر لیں' سال میں دس مہینے ان کے فارن ٹورز میں گزرتے ہیں۔تو بقیہ دو ماہ بزنس مسائل کو سلجھانے

Digest Novels Lovers group

میں......" بیڈ سے میلی چادر اتار کر وہ دھلی ہوئی چادر بچھاتے ہوئے بولی۔

"تم آ کر کن دھندوں میں لگ گئی ہو، ہٹو یہاں آ کر بیٹھو۔"

"آپ ظہر کی نماز پڑھ لیں، میں اتنے میں کمرے کی صفائی کرلوں گی، پھر کھانے سے فارغ ہو کر نماز ادا کرلوں گی۔" وہ تکیے پر غلاف چڑھاتے ہوئے بولی۔

"رضوان کا فون آیا تھا؟" انہوں نے آہستگی سے دریافت کیا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ کمرے میں یک دم ہی گھمبیر خاموشی چھا گئی......

"مصروف ہوگا، بیوی، بچوں میں، پھر باہر رہنے والوں کو سخت محنت کرنی پڑتی ہے، جب کہیں جا کر دو پیسے کماتے ہیں۔" اس خاموشی کو ان کی آواز نے توڑا۔

"کروڑ پتی بیوی سے شادی انہوں نے دو پیسے نہیں کروڑوں کمانے کے لیے کی تھی۔ ان جیسے مردوں کو محنت کی عادت نہیں ہوتی۔" اس کے لہجے میں نفرت تھی۔

"بری بات، اس طرح نہیں کہتے، باپ ہے وہ تمہارا۔"

"پلیز نانی جان! میں ان کا نام سننا پسند نہیں کرتی، ان کے ہوتے ہوئے میں یتیموں کی طرح رہ رہی ہوں۔" بمشکل اس نے اپنے آنسو ضبط کیے تھے۔

نانی جان کے نماز سے فارغ ہونے تک وہ بھی کمرے کی صفائی سے فارغ ہوگئی تھی۔

"چلو کچن میں چل کر دیکھتے ہیں، کیا پکا ہے۔" نانی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے بولیں۔ اسی دم فیضان کمرے میں داخل ہو کر بولا۔

"خولہ کی پسندیدہ تمام ڈشز میں ہوٹل سے لے آیا ہوں، خیرن ٹیبل پر لگا رہی ہے۔ آپ لوگ چلیں، بہت سخت بھوک لگی ہے۔"

"کتنا دکھ ہوا ہے مجھے یہاں نانی جان کی حالت دیکھ کر، تم سمجھتے ہو ان کا معمولی سا خیال رکھ کر تم اپنی ذمے داری سے عہدہ برآ ہو گئے؟" کھانے سے فارغ ہو کر اس کی فرمائش پر وہ کافی بنانے کچن میں آئی تو فیضان سے کہنے لگی۔

"کیا ہوا پارٹنر؟ خاصی ناراض لگ رہی ہو۔"

"اونہہ۔ مجھے کہاں حق پہنچتا ہے، تم سے ناراض ہونے کا۔"

"میں تو اپنے سارے "حقوق" تم کو سونپنے کو راضی ہوں مگر تم ہی......"

"شٹ اپ، میں سنجیدہ ہوں، کتنے افسوس کی بات ہے جس گھر میں ملازمین کی تعداد گھر کے افراد سے زیادہ ہو، وہاں ایک معمر خاتون کے کمرے میں گرد ڈیرہ ڈال لے۔ چھوٹے سے کمرے میں بے ترتیبی ہو، گند پھیل جائے اور کسی کو پروا بھی نہ ہو۔" گھر سے باہر جاتے وقت کسی کو اجازت مانگنا تو درکنار مطلع تک کر کے جانے کی توفیق نہیں ہوتی، کتنے دکھ اور بے حسی کا مقام ہے کس طرح یہ لوگ نانی جان کے صبر اور شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"بدنصیبی و سیاہ بختی ہے ان لوگوں کی، میں شرمندہ ہوں کہ دادی حضور کی اس طرح کیئر نہ کرسکا، جس طرح کرنا چاہیے تھی مگر تم بے فکر رہو، میں آج ہی سے ایک ملازمہ مکمل طور پر ان کے پاس بھیج دوں گا، اب تو خوش ہو نا۔" اس نے طمانیت سے مسکرا کر دریافت کیا۔

"ہوں، تم سچ مچ بہت اچھے ہو فیضی!"

"تھینکس گاڈ!...... تم نے اقرار تو کیا......" اس کی شرارت پر وہ بھی مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

"نویرا! آج چائنیز لے کر چل رہی ہو نا ڈنر کروانے؟" تابیہ نے سنجیدگی سے اس سے پوچھا جو تیسرے دن خود کو نارمل کر پائی تھی۔

"کیوں؟ کس خوشی میں؟"

"خوشی میں کیوں؟ غمی میں کہو...... بھئی یاد کرو، آج تمہارے پسندیدہ ناول کے ہیرو کا سوئم ہے۔ کیا اس کے لیے ایصال ثواب نہیں کرو گی اور آج اس کے سوئم کا کھانا نہیں کھلواؤ گی......" وہ حیرانی سے آنکھیں پٹپٹا کر بولا۔

"بکواس نہیں کرو۔" وہ غصے سے کھول کر بولی۔

Digest Library.com

"بکواس کی کیا بات ہے' پرسوں سے تم نے رو رو کر جو آنکھیں سجالی ہیں۔"

"جوتے کھانے ہیں تو کہو۔"

"یہ ڈش تمہارے ہیرو عامر کی پسندیدہ تھی میری نہیں۔" وہ ہنس کر کہہ اٹھی۔

"تمہارا سوگ کب ختم ہوگا؟ گھر میں تھوک کے حساب سے کام پڑے ہیں۔ اور تمہیں فکر ہی نہیں ہے کوئی۔" ہادیہ اسے فارغ دیکھ کر تپ کر بولی۔

"کر رہی ہوں کام...... تمہیں ہر وقت میری فکر رہتی ہے کہ کہیں میں آرام تو نہیں کر رہی۔" وہ غصے سے کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ہادیہ نے تابہ کی پروا کیے بغیر کمرے کی صفائی شروع کر دی۔

"اے...... اے جمعدارنی! کم از کم کام کرنے سے قبل آنکھیں تو کھول لیا کرو۔"

"تمہاری آنکھیں تو کھلی ہوئی ہیں نا۔" وہ اس کے آگے جھاڑو لہرا کر بولی۔

"جب تمیز بٹ رہی تھی تو نہ معلوم تم کہاں تھیں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

☆☆☆

صحن میں نرم نرم دھوپ اتر آئی تھی جو سرد موسم میں بہت بھلی لگ رہی تھی۔ وہ کچھ دیر ستونوں سے لپٹی سبز بیلوں میں کھلتے سرخ پھولوں کو دیکھتی رہی۔ آج پھر وہ اداسیوں کے گھیرے میں تھی دل ودماغ پر کہر سی جم گئی تھی۔

اپنا وجود پھر بے مصرف لگ رہا تھا۔ "بھلا کیا ہو جاتا اگر اس دنیا میں' میں نہ آتی تو' روز یہاں سینکڑوں لوگ دنیا چھوڑ جاتے ہیں' ان کے جانے سے دنیا کے معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑتا' پھر میرے نہ ہونے سے دنیا میں کوئی کمی تو نہ ہوتی۔" اس نے گھٹنوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے یاسیت سے سوچا۔

"کل رات رضوان کا فون آیا تھا۔" بڑی امی' چھوٹی چچی سے مخاطب تھیں۔

"اچھا...... اتنے عرصے بعد خیال آیا؟ کیا کہہ رہے تھے؟"

"وہی بے پناہ کاروباری مصروفیات کی مجبوریاں۔"

"صاف صاف نہیں کہتے کہ اس چڑیل کے چنگل سے آزادی نہیں ملتی۔"

"رضوان کے لیے ایسی عورت ہی ٹھیک ہے۔ اگر ہوتی سحرش کی طرح بے زبان اور دبو قسم کی تو اس کی طرح کب کی قبر کی آغوش میں چھپ چکی ہوتی' نہ معلوم کس کی بری صحبت میں اس نے کم عمری میں ہی غلط راستوں کا انتخاب کرلیا تھا۔ خراب عورتوں سے تعلقات' جوا اور شراب نوشی کی لت تو اسے ایسی لگی تھی کہ شادی کے ایک ماہ بعد ہی سحرش کے تمام طلائی زیورات فروخت کر ڈالے تھے۔ اماں نے تو بہت ڈھونڈ کر اس کے لیے سحرش جیسی حسین وجمیل لڑکی کا انتخاب کیا تھا کہ کم عمر اور حسین ترین بیوی کی موجودگی میں وہ سب خراب راستے چھوڑ دے گا۔ مگر ایسے عیاش آدمی کے لیے حسین ترین کے بجائے چالاک اور مکار عورت بہتر رہتی ہے۔ ایک دن بھی سحرش کو اس نے محبت نہ دی۔ شادی کے چند دنوں بعد ہی تو وہ اپنے باس کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ خولہ کی پیدائش سے ایک ماہ قبل ہی اس بیوہ سے شادی کر کے اس کے دونوں بچوں سمیت جاپان چلا گیا تھا۔"

"ہاں ۔ آں' آج بھی وہ وقت یاد آتا ہے تو آنکھیں بھر بھر آتی ہیں۔ کتنی چاہ تھی' سحرش کو اپنی بیٹی دیکھنے کی' مگر افسوس شوہر کی بے وفائی و بے وقعتی نے اسے اندر سے کھوکھلا کر ڈالا اور وہ اپنی بیٹی کو دیکھے بنا ہی اس دنیا سے منہ موڑ گئی۔"

میری ماں کی کوکھ سے ہی تو مجھے بے وقعتی' اداسی اور وحشتوں کے احساسات ملے ہیں۔ وہ بھی شاید اسی طرح سب کی چاہتوں کے باوجود' سب کی موجودگی میں خود کو تنہا وحقیر محسوس کرتی ہوں گی' کیونکہ جس شخص سے منسوب ہو کر وہ یہاں آئی تھیں' اس شخص نے ہی اپنی بے اعتنائی سے انہیں بے وقعت کر ڈالا تھا' مجھے اور میری ماں کو دکھ دینے والا ایک ہی شخص ہے' رضوان حسین...... جس کی

بے رخی و سنگدلی کا شکار ہو کر اس کی بیوی شادی کے دسویں ماہ میں ہی دنیا چھوڑ گئی تھی اور اب ماں کی سزا بیٹی کاٹ رہی ہے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ تائی اور چچی کی گفتگو بخوبی اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

''اماں کہنے لگیں' بیس سال ہو گئے' یہاں سے گئے ہوئے آ کر ایک بار شکل تو دکھا جاؤ' تو معلوم ہے' کیا جواب ملا؟''

''ہاں..... کیا جواب دیا رضوان بھائی نے؟'' چچی پر اشتیاق لہجے میں پوچھنے لگیں۔

''کہنے لگے' بھائی فرمان کے بیٹے تباشیر کو دیکھ لیا کیجیے جب بھی میری یاد آئے' وہ بالکل میری کاربن کاپی ہے بلکہ وجاہت میں مجھ سے بھی آگے نکل گیا ہے۔''

''آئے ہائے' اللہ نہ کرے' جوان کی پرچھائیں بھی تباشیر پر پڑے۔'' چچی نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگا کر ہول کر کہا تو وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ آئی۔

''ارے..... سنو' اے ہاف اسٹوری! بات سنو.....''

وہ ابھی گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی کہ تباشیر کے زور زور سے چیخنے پر بمشکل اٹھ کر بیٹھی۔

''فٹافٹ چائے بنا کر لے آؤ اور ساتھ کچھ کھانے کو بھی۔''

''سارے دن سے تھک کر ابھی لیٹی ہوں' اب کوئی کام نہیں کروں گی۔'' اس نے غصے سے کہہ کر کمبل کھینچتے ہوئے دوبارہ لیٹنا چاہا مگر دوسرے ہی لمحے اس نے کمبل نیچے پھینک کر اس مضبوطی سے اس کا بازو پکڑ کر بیڈ سے کھڑا کر دیا گویا وہ کوئی بے جان گڑیا ہو..... امی جان کی نیت بندھی ہوئی تھی' تباشیر نے اس موقعے سے مکمل فائدہ اٹھایا۔

''دس منٹ میں سب تیار کر کے لاؤ۔'' اس نے اس کو کچن میں لا کر ہی چھوڑا تھا۔

''میں ملازمہ نہیں ہوں تمہاری' جو وقت بے وقت تمہارے احکامات کی تکمیل میں جٹی رہوں گی۔'' اس قدر سردی میں میٹھی نیند و گرم بستر چھوڑنے پر اس کا غصے سے برا حال تھا۔

''ملازمہ نہیں' نوکرانی تو ہو' آخر تمہارا پورا خرچہ برداشت کرتا ہوں' اپنی محنت کی حلال کی کمائی سے.....''

وہ پیدائشی منہ پھٹ و تکلیف دہ حد تک صاف گو تھا۔

اس کا سارا غصہ وطنطنہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ سچ جس قدر کڑوا ہوتا ہے' اس قدر ہی باوزن بھی۔ اس کا طعنہ سنسناتے تیر کی طرح اس کے قلب میں پیوست ہو گیا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ کروڑ پتی باپ کے ہوتے ہوئے وہ اس مغرور اور بد دماغ کے ٹکڑوں پر پل رہی تھی۔ پھر اسے کسی اعتراض کا حق کہاں حاصل تھا۔

وہ ایک دم ہی خاموش ہو گئی تھی۔ بے آواز آنسو گلابی رخساروں پر موتیوں کی طرح چمکنے لگے تھے۔ تباشیر نے گہری نگاہوں سے اس کے بکھرے بکھرے بالوں کے درمیان گلابی چہرے کو دیکھا تھا اور اس کے نہ چاہنے کے باوجود آنسو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکے تھے.....

وہ طمانیت سے سیٹی بجاتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

☆☆☆

شام کی چائے پر ان سب لڑکیوں نے مل کر خوب اہتمام کیا تھا.....

گھر میں خوب محفل جمی ہوئی تھی' بڑی امی کی تینوں بیٹیاں شمیرہ' یسرہ' شیبا اپنے بچوں سمیت چند دن کے لیے رہنے آئی تھیں۔ چھوٹی چچی کی بیٹی سویرا جس کی شادی چھ ماہ قبل ہوئی تھی' وہ بھی آئی تھی۔ کافی دل گرفتہ اور پریشان پریشان سی۔

تین چار ماہ قبل تو بہت مسرور' اور شاداں و فرحاں سی وہ میکے آئی اور سسرال جاتی تھی' شادی کے اولین دن تھے۔ پیار و محبت' یگانگیت و خلوص کے پھولوں کی مہکار ہر طرف ہی محسوس ہوتی تھی۔ شوہر اس کا دیوانہ تھا تو ساس نندیں جان چھڑکتی تھیں۔

مگر جان چھڑکنے اور دیوانگی کا یہ وقفہ بہت مختصر ثابت ہوا اور کھیر پکاتے ہی ان کے مزاجوں پر چڑھی قلعی خود ہی اتر گئی۔ اب ان کی بدمزاجی و بدصورت رویوں کی زد میں وہ مسلسل تھی۔ شوہر بھی ماں کی شان میں کوئی گستاخی کر کے اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سو ہر وقت

Digest Library .com

وہ ان کی قہر آلود نگاہوں اور چیرہ دستیوں کا شکار تھی۔

آج صبح تو اس کی ضبط کی انتہا ہوگئی' جب چھوٹی نند نے معمولی سی بات پر اس سے نہایت بدتمیزی سے زبان درازی کی اور اس دوران ساس صاحبہ (جو ہر سمت ڈھنڈورا پیٹتی پھرتی ہیں کہ ان کی بیٹیاں معصوم و بے زبان ہیں) خاموشی سے بیٹی کی زبان کے جوہر ملاحظہ کرتی رہیں۔ مجال ہے جو ذرا اسے سرزنش کی ہو' بڑی بھاوج سے زبان چلانے پر۔ جب اس نے اپنے بارے میں صفائی دینے کی کوشش کی تو ساس اور دوسری نندوں نے مل کر وہ واویلا مچایا کہ سوتا ہوا کاشف گھبرا کر کمرے سے باہر آیا تو بڑا اثمناک منظر تھا۔ ماں اور ساری بہنیں آنسو بہا رہی تھیں اور سویرا کھڑی ہکا بکا سی ان کی شان دار اداکاری دیکھ رہی تھی کہ ابھی زبانوں سے اس کے پرخچے اڑانے والی بیٹے کو دیکھتے ہی کس طرح آنسو بہانے لگیں۔ پھر نہ نہ کرتے کرتے بھی چھوٹی بیٹی کی مظلومیت' بے زبانی' بھاوج سے بے انتہا پیار کا اظہار اور سویرا کی ہڈ حرامی' منہ زوری اور زبان درازی کی فہرست پیش کردی۔

جواباً کاشف صاحب اسی وقت اسے گیٹ کے باہر یہ کہہ کر چھوڑ گئے کہ "جس لڑکی کے دل میں اس کی ماں بہنوں کے لیے جگہ نہیں' اس لڑکی کے لیے اس کے گھر میں جگہ نہیں ہے اگر واپس آنا ہے تو اس کی ماں' بہنوں سے معافی مانگے اور آئندہ ایسی گستاخیاں کبھی خواب میں بھی نہ کرے..... ورنہ کبھی واپس آنے کے خواب بھی نہ دیکھے۔" وہ بہت سنگدلی سے کہہ کر چلا گیا۔ صبح سے اب تک رو رو کر اس کا برا حال تھا۔

اور ستم یہ تھا کہ دادی جان اس کی ایک بات ماننے کو تیار نہیں تھیں۔

"دادی جان! یہ زیادتی ہے۔ ساس صاحبہ بیٹی کی بدتمیزی کے باوجود اس کی حمایت میں بیٹے سے مجھے گھر سے نکلوا سکتی ہیں اور آپ کہہ رہی ہیں کہ میں خود ہی چلی جاؤں اور ان سے اس خطا کی معافی مانگوں جو مجھ سے سرزد ہی نہیں ہوئی۔" سویرا سخت برگشتہ تھی۔

"سسرالی ہمیشہ لوہے کے چنے ثابت ہوتی ہے جن کو تکلیف و اذیت کے باوجود چبانا پڑتا ہے۔

"اپنے حسن اخلاق اور انتھک محنت سے ہی سب کو گرویدہ بنایا جاسکتا ہے۔ بیٹی! کچھ کام زیادہ کرلینے سے اور دو باتیں کسی کی برداشت کرلینے سے تمہاری ہی عزت بنے گی' آج نہیں تو کل دد خود تمہاری خوش مزاجی و اپنائیت کے معترف ہوجائیں گے۔" دادی جان کے لہجے میں نرمی کے ساتھ ٹھوس اور بے لچک انداز تھا۔

"مجھے ان کا دکھ نہیں ہے' دادی جان! مگر کاشف کی بے اعتنائی و بزدلی نے میری عزت نفس اور وقار کو ریزہ ریزہ کردیا ہے۔ اعتماد اور مان کو کچل ڈالا ہے۔ وہ کس طرح ان کی باتوں میں آکر مجھے چھوڑ گئے اور ساتھ شرط بھی رکھ گئے' گھر واپسی کی۔ کیا وہ مجھے رات' دن گھر کے کاموں میں مصروف نہیں دیکھتے تھے؟ کیا وہ ماں' بہنوں کے مزاج سے واقف نہیں تھے؟" ساس' نندوں سے زیادہ وہ کاشف کی بے مروتی سے ٹوٹی تھی۔

"اچھی بات ہے۔ کاشف گھر کا بڑا بیٹا ہے۔ اس پر ذمے داریاں بھی زیادہ ہیں۔ سعادت مند اور نیک اولاد تو خوش نصیبوں کو ملتی ہے۔ بہنیں ایک دن پرائی ہوجائیں گی' ماں کی حکمرانی کب تک چل سکتی ہے۔ ایک دن سب کچھ تمہارا ہی ہوگا' آخر کیوں بے صبری بن کر خود بھی گناہ کی مرتکب ہو رہی ہو اور میاں کو بھی گناہ گار کرنا چاہتی ہو....."

"ہیں..... یہ کیا کہہ رہی ہیں' دادی جان؟" لڑکیاں حیرت سے بول اٹھیں۔

"دیکھو نا' اگر کاشف اس کی حمایت میں ماں' بہنوں سے لڑتا تو گناہ گار نہیں ہوتا' جب کہ ماں کے ساتھ بلند آواز میں بات کرنا بھی منع ہے۔"

"بہو کے ساتھ زیادتیاں کرنا' حق تلفی اور لڑائی جھگڑا کرنا' چھوٹی نندوں کا زبان چلانا' بدتمیزی کرنا یہ سب تو حدیث میں آیا ہے....." وہ جل کر بولی۔

"لاحول ولا قوۃ' توبہ کر لڑکی' کیوں بدعت کا شکار ہوتی ہے۔ یہ بات تو ہمارے مذہب کا حصہ ہی نہیں

Digest Library .com

ہے۔ یہ ساری بات ہوتی ہے خاندانی وقار اور گھریلو تربیت اور اس بات کا احساس تمہاری ساس کو اس وقت ہوجائے گا' جب ان کی بیٹیاں سسرال میں جا کر اپنے زبان کے کانٹوں سے دوسروں کو لہولہان کریں گی تو کہاں انھیں پناہ ملے گی اور اس وقت صرف پچھتاوے ہی انھیں ہر سمت سے گھیرے کھڑے ہوں گے۔''

''ایسے بے حس دبے ضمیر لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب بھی وہ چاہیں گی کوئی کہانی بنا کر اپنی بیٹیوں کو مظلوم اور دوسروں کو ظالم ثابت کردیں گی' بس...... میں نے فیصلہ کرلیا ہے' میں اس گھر میں جب تک نہیں جاؤں گی' تب تک کاشف الگ گھر نہیں لے لیتے۔''

''خاموش رہو...... ہماری زندگی میں تمہیں فیصلے کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے۔ تمہیں گھر جانا ہے' یہ ہمارا حکم ہے۔ خوشی خوشی جاؤ گی تو اس گھر کے دروازے تم پر وا ہوں گے مگر لڑ جھگڑ کر آنے والی بیٹی کے لیے یہ دروازے بند رہیں گے۔''

دادی جان اپنا حکم سنا کر چلی گئیں۔ کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی صرف سویرا کے رونے کی آواز ماحول کو بوجھل اور اداس کر رہی تھی۔

''ہمارے گھر کے بزرگ ابھی بھی سو سال پہلے کی ذہنیت رکھتے ہیں۔ وفا شعاری و خدمت گزاری۔ سب کچھ سن کر بھی لبوں پر تالے ڈالے رکھنا

☆☆☆

آج آفس سے وہ جلد ہی لوٹ آیا تھا۔ اپنے پورشن میں قدم رکھتے ہی پلاسٹک میٹ پر براجمان ڈھیروں بچوں کو اسکول ورک کرتے دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ بچوں نے بھی پڑھائی سے دھیان ہٹا کر چند لمحے اس کی جانب دیکھا پھر دوبارہ مصروف ہوگئے۔

''ہیلو بیٹا! آپ یہاں کس سے ٹیوشن لینے آئے ہو؟'' اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پانچ سالہ بچی سے استفسار کیا۔

''کھولہ مس سے۔'' بچی نے شرما کر جواب دیا۔ اس انکشاف نے اس کے اندر توہین و تذلیل کی آگ بھڑکا دی تھی۔ غصے و رنج سے اس کا چہرہ سرخ انگارہ بن گیا تھا' بہت ضبط کے ساتھ اس نے بچوں کو روانہ کیا اور اندر کی سمت بڑھنے ہی والا تھا کہ خولہ وہاں آگئی۔

''اوہ...... بچے کہاں گئے؟'' اس نے حیرانی سے دریافت کیا۔

''جہاں سے آئے تھے......'' لہجے کی غراہٹ اور آنکھوں کی سرخی پر لمحے بھر کو اس کا دل کانپا تھا۔ ''مگر فکر تھی کہ نہ معلوم اس نے بچوں سے کیا کہہ کر بھیجا ہے اس لیے حوصلہ بلند کر کے پوچھا۔

''کیوں؟'' ''ابھی تو انھیں ہوم ورک کرنا تھا۔''

''تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ تم میرے گھر کو ٹیوشن ہوم بناؤ اور میری تذلیل کرو' میری عزت و وقار کی دھجیاں بکھیرو ہر جگہ......'' وہ قہر و غضب کی تصویر بنا کھڑا تھا۔

''بچوں کو تعلیم دینا عزت و وقار کے منافی کب سے ہوگیا؟'' اس کے دھیمے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

''تمہارے اس بھوسے بھرے دماغ میں سوچنے' سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو کیا بات تھی! اُونہہ' نہ معلوم کس جرم کی سزا کے طور پر ہم پر مسلط کی گئی ہو...... کیا کہیں گے لوگ کہ ایک لڑکی کا بوجھ ہم برداشت نہیں کرسکتے۔ وہ لڑکی بچوں کو ٹیوشن دے کر اپنا خرچہ چلا رہی ہے۔ کیا یہی اوقات ہے ہماری؟'' اس کا غصہ جنون کی حدوں کو چھو چکا تھا۔ اس کی اونچی آواز اندر پہنچ چکی تھی۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ گھر میں دادی جان اور چھوٹی امی کے علاوہ اور کوئی نہ تھا جو اس کی اونچی آواز سن کر صحن میں آگئی تھیں۔

''کیا ہوا؟ کیوں آتے ہی بچی کے پیچھے پڑ گئے ہو؟ کیوں ناراض ہو رہے ہو؟''

''دادی جان! آپ لوگوں نے بچی' بچی کہہ کر اس کو سر پر چڑھا رکھا ہے۔ کس نے اجازت دی ہے اسے کہ یہ ہمارے گھر میں بیٹھ کر ہماری حمیت کا جنازہ نکالے؟''

''یہ تم نے کیا ہمارا گھر ہمارا گھر لگا رکھا ہے؟ یہ گھر جتنا تمہارا ہے' جتنا دوسروں کا ہے' اتنا ہی حق اس کا بھی اس گھر

پر ہے۔ یہ بات خوب ذہین نشین کرلو اور کیا معیوب بات کردی میری بچی نے جو تم یوں آپے سے باہر ہو رہے ہو۔'' چھوٹی امی اپنی موجودگی میں اسے ایک گرم نگاہ سے نہ دیکھنے دیتی تھیں۔ اس وقت دھیرے دھیرے کانپتا وجود بے مائیگی وطعنہ زنی سے سپید پڑتا چہرہ اور بھیگی بھیگی آنکھوں سے جھلکتا خون ان کو تڑپا گیا۔ آن واحد میں خولہ کو سینے سے لگا کر وہ اس سے سخت وترش لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''اس کے آگے آپ نے کبھی مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ کس چیز کی کمی ہے۔ اسے' کیا چاہیئے۔ اسے؟ کون سے دلدر دور کرنے کے لیے اس نے ٹیوشن دینی شروع کی؟ اسے روپوں کی ضرورت تھی آپ سے کہتی' مجھ سے کہتی' کیوں ہمارا تماشہ بنانے کی کوشش کی؟ آج ٹیوشن ہوم سے ابتدا ہوئی ہے' کل کشکول لے کر نکل پڑیں گی محترمہ! ہماری عزت کو مزید چار چاند لگانے کے لیے اور آپ اسے ''بچی کا بچپنا'' ہی سمجھتی رہیئے گا۔''

وہ دھپ دھپ کرتا ہوا اپنے روم میں گھس کر باتھ روم میں چلا گیا۔

ایک گھنٹے بعد نیم گرم شاور لے کر کمرے میں آیا تو دادی جان اور چھوٹی امی کو چائے سینڈوچ کے ہمراہ اپنا منتظر پایا تو چند لمحے کے لیے نادم ہو کر رہ گیا کہ غصے میں وہ خود پر بالکل بھی قابو نہ پا سکتا تھا۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا لیکن اس بار خولہ کی غیر ذمے دارانہ حرکت نے اسے ذہنی صدمہ پہنچایا تھا۔

''غسل نے یقیناً تمہارا غصہ ٹھنڈا کر دیا ہوگا اور عقل وفہم کو لوٹا دیا ہوگا' آ کر چائے پیو' ٹھنڈی ہو جائے گی۔'' امی نے ناراض لہجے میں پلیٹ میں چپس' کیچپ اور سینڈوچز رکھ کر پہلے ساس کو دی۔ دوسری پلیٹ اس کے لیے ٹیبل پر رکھ کر کہا۔

''مجھے معلوم تھا' آپ کو اس چھپکلی کی ہی طرف داری کرنی ہے' بھلے ناجائز ہی ہو۔'' وہ مسکراتا ہوا دادی جان کے بر بر میں بیٹھ کر ٹیبل سے پلیٹ اٹھا کر شوخی سے بولا۔

امی نے کوئی جواب نہیں دیا' خاموشی سے فلاسک سے چائے مگوں میں نکالنے لگیں۔

''ایک بالکل معمولی سی بات کو تم نے اپنی انا اور عزت نفس کا مسئلہ بنا لیا ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جانتے ہو نا' اس لڑکی کی ٹریجڈی' کتنی حساس اور دکھی ہے وہ..... اور کیوں نہ ہو' باپ کے ہوتے ہوئے بھی بن باپ کی ہی لگتی ہے۔ یہ تو تمہاری ماں کو اللہ اجر دے گا جس نے اس بدنصیب کو اپنے ممتا کے دامن میں پناہ دے کر ثابت کر دیا کہ انسان اپنے نفس کی راہ پر نہ چلے تو فرشتہ بن جاتا ہے۔ سگی ماں سے بڑھ کر خولہ کو محبت دی ہے تمہاری ماں نے .....'' دادی جان نے پر شفقت لہجے میں سمجھاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ روشن پیشانی' دیانت سے دمکتی براؤن آنکھیں اور کھڑی ناک کے نیچے گھنی سیاہ مونچھوں نے اس کی خوب صورتی کو بھرپور وجاہت بخشی تھی۔ وہائٹ کاٹن کے کلف شدہ سوٹ میں اس کی شخصیت اس قدر نمایاں تھی کہ ان کے ذہن میں رضوان کا سراپا اتر آیا۔ وہ بھی تو ایسا ہی تھا' خوبرو' وجیہہ اسمارٹ لیکن کردار وعادات.....''

ان کے اندر درد کی لہر دور تک پھیل گئی۔

ان کی کیفیت سے بے خبر تابشیر کہہ رہا تھا۔

''یہی باتیں کر کر کے آپ لوگوں نے ان محترمہ کو احساس کمتری میں مبتلا کر ڈالا ہے۔ اس کے ایک دکھ کا سب کو احساس ہے' سب اسے اتنا پیار واپنائیت دیتے ہیں کہ اتنا سکھ تو اس کو اس کے والدین بھی نہیں دے سکتے تھے۔ اس کی ہر بات ہر خواہش' ہر ضرورت بن کہے پوری کی جاتی ہے تو پھر کس ضرورت کے تحت اس نے یہ سب کیا؟''

''عزت نفس اور وقار کی خاطر..... کسی سائل کے کشکول میں بھی بھیک ڈالی جاتی ہے تو اسے لمحے لمحے یہ احساس دلا کر ذلیل نہیں کیا جاتا کہ ہم تمہیں بھیک دے کر احسان کر رہے ہیں' تم ہمارے ٹکڑوں پر زندہ ہو۔ تمہاری ضرورتیں ہم سے پوری ہو رہی ہیں۔ تم ہماری عنایتوں کے محتاج ہو۔''

Digest Library.com

"امی...... امی! اتنی ناراضگی! اتنی خفگی!" اس نے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے حیرانی سے کہا۔ "میں اسے اس گھر کا فرد سمجھتا ہوں' محتاج' حقیر' ضرورت مند نہیں۔"

"نہیں...... تم اس کو صرف ملازمہ سمجھتے ہو' ملازمہ اور کچھ نہیں......" وہ کبیدگی سے بولیں۔ "اس لیے کہ آج جس قسم کا برتاؤ تم نے اس کے ساتھ کیا ہے اس حرکت سے ثابت ہوگیا ہے کہ یہ صرف تمہارا گھر ہے۔ تمہارا' اور کسی کی جرأت نہیں ہے' اپنی مرضی سے یہاں کچھ کرنے کی......"

"بہو! چھوڑو اب' جو ہونا تھا ہو چکا' کیوں دل کو لگاتی ہو۔"

"نہیں اماں جان! وہ مجھے جان سے پیاری ہے۔ قسم سے' اس نے مجھے اتنی راحت و آرام دے رکھا ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اتنا کرم کریں گے مجھ پر اس کی شکل میں۔ اس کی دل شکنی میری دل شکنی ہے' اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو میرا لہو ہیں۔" وہ بھرائے لہجے میں بولیں تو تباشیر کو اپنی جلد بازی پر غلطی کا احساس ہوا۔

"سوری امی! پلیز معاف کردیں' آپ اسے چاہتی ہیں اس کا احساس مجھے بچپن سے ہے مگر ایسی گہری محبت کا احساس ہوا۔ مجھے آج پہلی بار ہوا ہے۔" وہ صوفے سے اٹھ کر کارپٹ پر بیٹھ کر ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر ندامت سے بولا تو وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرادیں۔

☆☆☆

دن تیزی سے گزر رہے تھے شعبان کا مہینہ شروع ہونے والا تھا۔ ان سب نے مل کر گوشے گوشے کی صفائی کرنا شروع کردی تھی۔ اور گھر ایک دم سے نکھر آیا تھا۔

نوریا کے ہاتھ میں اس ماہ کا شمارہ تھا اور تمام اسٹوریز اس کی من پسند رائٹرز کی تھیں۔ سو وہ صبح ہی سے کمرے میں بند ڈائجسٹ پڑھنے میں مگن تھی۔ گھر میں وہ واحد لڑکی تھی جسے ادب سے اس قدر محبت تھی۔ رسائل اور ماہنامہ شماروں سے اسے عشق تھا۔ راستوں' بازاروں میں اسے کوئی ڈائجسٹ والا اسٹال نظر آجاتا تو وہ سیدھی وہیں پہنچ جاتی اور نئی پرانی ڈائجسٹیں اس کے بیگ میں ہوتیں۔ جنھیں وہ بہت احتیاط سے پریس کر کے شیلف میں لگاتی اور بہت نفاست سے پڑھتی تھی۔

تائبہ بڑے تایا کی بیٹی بہت ہنر مند و سلیقہ مند تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اس نے اور نمرہ نے کئی کورس کیے تھے۔ آج کل وہ دادی کی ہدایت پر چاروں کی جہیز کی بیڈ شیٹس تیار کررہی تھیں۔ جن میں کچھ پر چار سوتی کا ورک تھا' پینٹنگ ورک اور کڑھائی کے کئی نمونے بھی شامل تھے۔ فراغت کے وقت دادی جان انھیں اپنی ہنرمندی بھی سکھاتی رہتی تھیں جو اس دور میں ناپید ہوچکی تھی۔ یہ ان کی محبت ہی تھی جو وہ نایاب ہنر سکھا رہی تھیں۔

ازحد حساسیت کے باعث بچپن سے ہی اس کی شخصیت میں ادھورا پن رہ گیا تھا۔ ان کی بہترین نگہداشت سے خاصی خامیاں اس کی ذات سے ہٹ چکی تھیں۔ مگر چند خامیاں ہزارہا کوشش کے باوجود مٹ نہ سکی تھیں۔ جنھوں نے اس کی شخصیت کو ادھورا کرڈالا تھا۔

وہ جس طرف بڑے شوق و ذوق سے بڑھتی تھی اتنی جلدی اس سے اکتا کر اسے چھوڑ دیا کرتی تھی۔ بیزاری اور جھنجلاہٹ کا شکار تو وہ رہتی ہی تھی......

ایم اے ادھورا چھوڑ کر پچھلے سال سے گھر بیٹھ گئی تھی۔ تائبہ اور نمرہ کے ساتھ کورسز اس نے بھی شروع کیے مگر اپنی متلون مزاجی کے باعث مکمل ہونے سے چند ہفتے پہلے چھوڑ کر بیٹھ گئی۔ چچی امی کی ذمے داری نبھانے کے علاوہ اور کوئی کام وہ مکمل نہیں کرتی تھی۔

اپنی ذات کی تو اسے فکر ہی نہیں تھی۔ فارغ وقت میں اوپر سیڑھیوں پر بیٹھ کر پہروں سوچنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ دادی جان کو شام ڈھلے اس کا سیڑھیوں پر تنہا بیٹھنا پسند نہیں تھا۔ صحن میں لگے امرود' جامن اور نیم کے درختوں کا سایہ پوری چھت اور سیڑھیوں پر رہتا تھا۔ ان کا خیال تھا' کنواری لڑکیوں کو درختوں کے نیچے اس وقت نہیں بیٹھنا چاہیے مگر وہ عادت کے باعث ضرور بیٹھتی تھی کہ عجیب سکون میسر آتا تھا۔

شب برأت ان سب نے بہت عبادت میں

digestlibrary.com

گزاری۔ سارا دن حلوے بنانے اور بانٹنے میں گزرا تھا اور دوسرے دن کا روزہ بھی سب نے رکھا تھا' افطار پر خوب زبردست اہتمام کیا گیا تھا۔ رمضان المبارک کی آمد میں دو ہفتے باقی تھے۔ انہوں نے اس کے استقبال کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ ویسے تو ماہانہ خریداری کچن کے سامان کی ہر ماہ ہوتی تھی۔ مگر رمضان کے لیے خصوصی تیاری ہوتی تھی۔ تائی اور چچی مل کر بازار گئی ہوئی تھیں نیا ڈنر سیٹ اور مصالحے کے ڈبے وغیرہ لینے' وہ سب دادی جان کے ہمراہ مختلف قسم کی چٹنیاں' کیچپ اور فروٹ چاٹ مصالحہ بنانے میں لگی ہوئی تھیں۔ صحن میں افراتفری مچی ہوئی تھی' پلنگ پر دادی جان کے ساتھ چھوٹی امی بیٹھی مٹر کے دانے نکال رہی تھیں' دادی جان کی ڈائریکشن عروج پر تھی۔

خولہ نے کیچپ کے لیے سرخ سرخ بڑے بڑے ٹماٹر دھوکر دیگچی میں بوائل کرنے رکھے تھے اور دوسرا سامان تیار کرنے بیٹھ گئی تھی' تائبہ آلو بخارے دھوکر خشک کررہی تھی' نمرہ املی سے بیج صاف کررہی تھی' ہادیہ کانچ کی بوتلیں دھوکر دھوپ میں رکھ رہی تھی جن میں کیچپ اور چٹنیاں محفوظ کی جانی تھیں۔ نوریہ ابھی کالج سے نہیں لوٹی تھی۔

کال بیل مسلسل زیر عتاب تھی' وہ ایک دوسرے کو اشارے کررہی تھیں کہ گیٹ کھولنے جائے مگر کوئی گیٹ کھولنے کو تیار نہیں تھا۔ دادی کی ڈانٹ کھا کر ہادیہ گیٹ کھولنے گئی تھی۔

''اگر تم نے فوراً بیل سے ہاتھ نہیں ہٹایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' گیٹ کھولتے ہی اس نے طیش زدہ انداز میں کہا تھا۔ اس شخص نے فوراً ہی گھبرا کر بیل سے انگلی ہٹائی تھی۔

''مجھے خضر فیروز کہتے ہیں۔ ملتان سے آیا ہوں......'' اس کے جارحانہ تیور دیکھ کر وہ خاصا معقول سا بندہ ہونق نظر آرہا تھا۔ ہاتھ میں اس نے سفری بیگ پکڑ رکھا تھا۔

''واپسی کا کرایہ نہیں ہے' جیب کٹ گئی ہوگی' مالی مدد کی ضرورت ہوگی...... جاؤ جاؤ بابا! معاف کرو' تم جیسے ہٹے کٹے نوجوانوں کا یہ ڈھونگ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں چلو جاؤ یہاں سے ایک روپیہ نہیں ملنے والا تمہیں یہاں پر......''

''نہ...... نہ نہیں آپ غلط سمجھ رہی ہیں' روپے تو بہت ہیں میرے پاس......'' اس نے بوکھلا کر جیکٹ کی جیب سے پھولا ہوا والٹ نکال کر دکھایا جو بڑے نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ ''میں آنٹی سے نزہت سے ملنے آیا ہوں......''

''ہاں تو پہلے بولتے نا' میں بھی آج کل کے ماڈرن فقیر ہیں''...... وہ اسے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی اور اسے وہاں بٹھا کر دادی جان کو اطلاع دی تھی۔

''ارے خضر آیا ہے! آپا شاہ جہاں کا نواسہ' یہاں لے کر آؤ نا اسے کوئی غیر تھوڑی ہے وہ جو اسے مہمان خانے میں بٹھا کر آ گئی ہو''...... دادی جان پر جوش لہجے میں بولیں۔

''ارے دادی جان! ضروری تھوڑی ہے آپ ہر آنے جانے والوں کو اپنی پوتیوں کے سگھڑاپے اور سلیقہ مندی کے ہنر دکھائیں' اس وقت صحن کی حالت کسی شریف آدمی کو بٹھانے کے قابل نہیں ہے۔''

خولہ کے کہنے پر وہ اٹھ گئیں اور چائے کے ساتھ لوازمات بھیجنے کا حکم دے کر چلی گئیں۔ تائبہ چائے تیار کرنے لگی' نمرہ نے فریج سے کباب نکال کر فرائی کیے اور ہادیہ کہ یہی نیک و وضعدار گھرانوں کی بیٹیوں کے چلن ہوتے ہیں۔ لیکن اب وقت بدل گیا ہے نیک چلن بد لحاظی کا پیراہن اوڑھ چکے ہیں۔'' یسرہ نے اپنی بیٹی کے منہ میں فیڈر دیتے ہوئے نکلس کر کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا' جب وقت بدل گیا ہے تو لوگوں کے مزاج و عادات کیوں نہیں بدلے۔ پہلے یہ بات ذہن نشین کرلو کہ نہ ساری ساسیں قصائی ہوتی ہیں اور نہ ہی تمام نندیں جھگڑالو' کسی گھر میں بہو بدتمیز و بد مزاج ہوتی ہے تو ساس' نندیں اس پر جان چھڑکنے والی ہوتی ہیں اور کوئی بہو اخلاق و مروت اور ایثار و محبت کے خزانے لے کر آتی ہے تو ساس و نندوں کا رویہ ایسا ہی ہوتا

ہے جس کا سویرا شکار ہے۔ عموماً ایسا انہی گھرانوں میں ہوتا ہے جہاں لوگ دین و دنیا کی تعلیم سے نابلد ہوتے ہیں یہ وہ معصوم لوگ ہوتے ہیں جو نفس کے شر کا شکار ہو کر معاشرے میں اپنا مقام خراب کر ڈالتے ہیں اور آخرت میں عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ حقوق العباد سے بے بہرہ ہو کر۔ مجھے سخت غصہ بھی آتا ہے ایسے لوگوں پر اور ترس بھی۔''

☆☆☆

کوئی بات کرو کیوں اس قدر خاموش ہو؟'' فیضان نے کافی پیتے ہوئے اس کی جانب بغور دیکھا سرخ و سیاہ کاٹن کے تھری پیس سوٹ میں اس کی شفاف رنگت دمک رہی تھی۔

سرد موسم کے باعث رنگت میں کچھ سرخی آ گئی تھی جو اسے ازحد پرکشش بنا رہی تھی۔ اس کی سادگی میں حسن تھا' سحر انگیزی تھی' ایک بار دیکھنے والا بار بار دیکھنے کا تمنائی بن جاتا تھا۔

مگر وہ اپنے حسن سے بالکل بے پروا رہا کرتی تھی۔ اسے اپنی ذات سے کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

''کیا بات کروں؟'' اس نے سینڈوچ کھاتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''اپنا آفس چھوڑ کر تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں تاکہ تم انجوائے کرو' خوش ہو مگر تم......''

''مجھے نانی جان کے پاس ہی رہنے دیتے ان کی قربت میں بہت سکون ملتا ہے مجھے۔''

''اپنی بے سکونی کا بہت احساس ہے تمہیں؟ کبھی میرے بارے میں سوچا ہے......''

''نہیں...... تمہارے بارے میں سوچنے کے لیے بہت سارے لوگ موجود ہیں۔''

''لیکن تم تو نہیں ہونا ان میں......'' وہ شوخی سے گویا ہوا۔

''فالتو بات نہیں کرو' جلدی کرو کل سے گھر سے آئی ہوئی ہوں' چھوٹی امی بہت یاد آ رہی ہیں۔''

''کافی تو ختم کرو' شاپنگ کروا کر گھر چھوڑ کر آؤں گا۔''

''پلیز شاپنگ نہیں فیضی۔''

''تم اس معاملے میں نہیں بولا کرو۔'' اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود فیضان نے خوب زبردست شاپنگ کروائی تھی۔ جب وہ پیکٹس سے لدی پھندی گھر میں داخل ہوئی تو تباشیر سے سب سے پہلے سامنا ہوا تھا۔

اس کے ہاتھوں میں پکڑے شاپرز کو اس نے خاصی سرد مہری و ناپسندیدگی سے دیکھا تھا اور اس پر قہر آلود نگاہ ڈال کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا' جبکہ چھوٹی امی اس سے بہت مسرت سے ملی تھیں۔ فیضان اسے چھوڑ کر فوراً ہی چلا گیا تھا۔

''تباشیر کو بھیجا تھا' میں نے دوپہر کو تمہیں لینے' خالہ نے بتایا کہ تم فیضی کے ساتھ گھر جا چکی ہو' میں سمجھ گئی کہ لے گیا ہوگا کہیں سیر کرانے' بہت خیال رکھنے والا بچہ ہے۔''

''ہاں...... دیکھیں نا'...... زبردستی منع کرتے کرتے بھی اتنی شاپنگ کروا دی۔''

''ہاں...... اپنے گھر والوں سے بالکل مختلف مزاج کا لڑکا ہے۔''

''تباشیر آج آفس نہیں گئے؟'' اسے اس کی نگاہوں سے خوف آ رہا تھا۔

''جلدی آ گیا تھا۔ اماں جان' تائی اور چچی بہت پوچھ رہی تھیں تمہیں۔ ان کو سلام کر کے آ جاؤ......''

☆☆☆

پرسکون بہتے سمندر میں گویا ایک دم ہی بھونچال آیا تھا۔ اور ہر طرف افراتفری سی پھیل گئی تھی۔ بائیس سال بعد رضوان حسین کو اپنے وطن' اپنے لوگوں کی یاد آئی تھی اور وہ بیوی' بیٹی سمیت رمضان سے قبل پاکستان آ رہے تھے۔

گھر میں ان کے آنے کی خوشی سب کو ہی تھی۔ دادی جان اپنی تمام بیماری بھول کر بیٹھے' بہو کے لیے تیاریاں کروا رہی تھیں۔

دادا جان کے وقتوں کے بنے ہوئے اس دو منزلہ گھر

میں اب بھی خاصی گنجائش تھی۔ اوپر کی منزل میں جہاں تایا جان کی فیملی آباد تھی' وہیں ایک خالی پورشن ان کے لیے سیٹ ہو چکا تھا۔ کل کی فلائٹ سے انھیں آنا تھا۔ تایا جان اور چچا جان کے ہمراہ تینوں لڑکے بھی انھیں ریسیو کرنے کا ارادہ رکھتے تھے' نمرہ' ہادیہ بھی ایئر پورٹ دیکھنے کے اور نئی کزن سے ملنے کے شوق میں ایئر پورٹ جانے کو تیار تھیں۔

''تم بھی تیار ہو جاؤ بیٹی! سب جا رہے ہیں۔'' چھوٹی امی نے اسے خاموش بیٹھے دیکھ کر کہا۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا جانے کو چھوٹی امی!......''

''کیوں' وہ تمہارے ماں' باپ ہیں' بہن ہے' ان سے ملنے کا شوق نہیں ہے۔''

''بائیس سالوں کے کسی ایک لمحے میں بھی مجھے ان رشتوں کا احساس دیا جاتا تو میرے اندر یوں بے حسی ولاتعلقی کی برف آج نہ جمی ہوتی۔ اتنے اہم دن میرے اندر سناٹے تو نہ اترتے۔''

''میری بیٹی! ٹھیک ہو جائے گا اب سب کچھ' فکر مت کرو......'' انہوں نے اسے سینے سے لگا کر تسلی دی۔ کیونکہ وہ اس کی کیفیت بخوبی سمجھ رہی تھیں۔

☆☆☆

گھر میں خوب رونق لگی ہوئی تھی۔ رضوان صاحب اپنی بیوی اور بیٹی ماہ رخ کے ہمراہ وطن واپس آ چکے تھے۔ بیٹا واپس نہیں آیا تھا کہ اس نے ٹوکیو میں ہی شادی کر کے وہیں کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ طویل عرصے بعد گھر والوں کے درمیان اپنی موجودگی پر رضوان صاحب بہت مسرور تھے اور ان سے زیادہ ماہ رخ' جسے سوئٹی کہہ کر پکارا جاتا تھا' وہ ازحد خوش تھی۔'' وہ پہلی نظر میں ہی تباشیر پر فریفتہ ہو گئی تھی۔

سرمئی آنکھوں' سرخ و سپید رنگت اور ڈارک براؤن بالوں والی سوئٹی کی خوب صورتی نے اس سڑیل مزاج شخص پر بھی خاطر خواہ اثر کیا تھا۔ اکثر و بیشتر وہ ساتھ ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ تباشیر کے چہرے پر رنگ تھے۔ اس کی آنکھوں میں جلتی محبت کی قندیلیں کسی سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکی تھیں۔

رات بھی کھانے کے بعد حسب معمول وہ سوئٹی کو لے کر کافی پینے باہر گیا تو وہ خولہ کو گھیر کر بیٹھ گئیں۔ پہلے نویرا نے کہا۔

''تمہاری قریب کی نگاہ اتنی کمزور کیوں ہو گئی ہے؟''

''ارے...... نہیں تو' میری نگاہیں تو درست کام کر رہی ہیں۔'' وہ حیران گی سے بولی۔

''ہاں...... تب ہی وہ پر کٹی کبوتری تباشیر کو روز بروز قابو کر رہی ہے۔''

''روز دونوں جاتے ہیں باہر' گھنٹوں کے حساب سے اسے لے جانے کے لیے تباشیر کے پاس وقت ہی وقت ہے اور گھر کی لڑکی کے لیے اسے فراغت کا کوئی لمحہ میسر نہیں ہوتا۔ وہ سوئٹی کے اشاروں پر چلتا ہے۔'' تائبہ بھی ازحد نالاں تھی۔

''تم لوگ کیوں اتنا فکر مند ہو رہی ہو؟...... اس کی مرضی ہے' شروع سے ہی اپنی ذات کے حوالے سے کس قدر خود پسند رہا ہے۔ کسی کی مرضی کے مطابق چلنے والا بندہ نہیں ہے وہ' اور نہ ہی اپنے معاملے میں کسی کی مداخلت برداشت کرتا ہے۔''

''اونہہ...... تم تو مقابلے سے قبل ہی شکست تسلیم کر رہی ہو' بہادر بنو خولہ! یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص جو بچپن سے اب تک ہمارے درمیان رہا اور وہ لڑکی جو چند دنوں سے ہم میں موجود ہے اسے ہم سے چرا کر لے جائے۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو نمرہ' میرا کسی سے کوئی مقابلہ نہیں ہو رہا' اور تباشیر کوئی سونے کی انگوٹھی نہیں ہے جسے کوئی چرانے کی کوشش کرے گا......'' وہ اطمینان سے دھلے ہوئے کپڑے تہ کر کے وارڈ راب میں رکھتے ہوئے بولی۔

''وہ تم سے تباشیر کو چھین رہی ہے بے وقوف۔ بات سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''وہ میرا تھا ہی کب؟ بچپن سے آج تک وہ مجھے غاصب' لٹیری اور چالاک سمجھتا آیا ہے۔ ایک ایسا ناقابل

برداشت وقابل نفرت وجود جس نے گھر کی ہر شے کے علاوہ اس کی ماں کی چاہت وشفقت میں بھی حصہ بٹورا ہے۔''

''تم' یہی تو نہیں سمجھتی میری جان' دراصل سچی محبت اور لازوال عشق تو ایسے ہی ہیرو کی باتوں میں چھپا ہوتا ہے' بظاہر تو وہ......''

''پلیز ...... پلیز نوریا' تم کبھی اپنی اس افسانوی دنیا سے باہر بھی نکلا کرو' حقیقت افسانوں سے بہت مختلف وتکلیف دہ ہوتی ہے۔'' اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''اتنی مختلف بھی نہیں جتنی تم سمجھتی ہو' اس دور میں افسانے حقیقتوں سے ہی کشید کیے جاتے ہیں۔ اور ممکن حد تک ہمیں گائڈ نیس بھی دی جاتی ہے۔

''چلو درست ہے جو تم کہہ رہی ہو مگر یہ بتاؤ' میرے پیچھے کیوں پڑی ہو؟''

''تباشیر کو سوئٹی کے چنگل سے نکالو' کیونکہ وہ تمہارا نصیب ہے۔''

''وہاٹ؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟'' کپڑوں کی تہ اس کے ہاتھ سے پھسلتی گئی۔

''سچ کہہ رہی ہوں' کل ہی چھوٹی امی دادی جان سے کہہ رہی تھیں کہ وہ تباشیر کے سوئٹی کی طرف بڑھتے قدم روکیں' کیونکہ تم سے ان کی منگنی بچپن میں ہوگئی تھی۔''

''نہیں...... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' وہ بالکل بے جان انداز میں بیٹھی تھی۔

''مجھے بھی اتفاقاً کل ہی معلوم ہوا ہے۔ ہم سب بچپن سے ہی ''پرائی'' ہوچکی ہیں۔ تابنہ' تبارک کے نام ہوچکی ہیں۔ نمرہ پر تابش صاحب مہر لگا چکے ہیں' تم تباشیر کی انگوٹھی کا نگینہ ہو' میں اور بے چاری نوریا رہ گئے ہیں تو ہمارے لیے بھی کوئی نہ کوئی دل والا آئے گا ہی جلد از جلد انشاءاللہ......'' ہادیہ کھلکھلائی تھی۔

ان سب کی باتیں دوسرے دن ہی سچ ثابت ہوئی تھیں۔ رضوان صاحب کہیں ڈنر پر بیٹی اور بیوی کے ساتھ مدعو تھے۔ تباشیر سوئٹی کی غیر موجودگی میں خاصا پژمردہ سا ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا۔ مضطرب' بے سکون' بے کل' اور بے چین سا۔

''اے خولہ! دیکھ رہی ہو اس دور کے مجنوں ثانی کو' کمبخت اس منحوس لیلیٰ کے فراق کے چند گھنٹے کس قدر جاں گسل اور بے مزہ ہیں۔ آخر تم کب تک تماشہ دیکھتی رہوگی؟'' ہادیہ نے اوپر ٹیرس پر ٹہلتے ہوئے تباشیر کی جانب اشارہ کرکے غصے سے کہا۔

''بزرگ کہتے ہیں جس منزل پر پہنچنا نہیں' اس کا راستہ کیوں ناپیں' وہ مجنوں بن کر لیلیٰ کے فراق میں صحراؤں کی خاک چھانے یا فرہاد بن کر شیریں کے حصول کے لیے پہاڑ کے دامن سے دودھ نکالے' مجھے کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ ہی تم مجھے اس حوالے سے ٹیز کرنے کی آئندہ کوشش کرنا۔ میں اس رشتے کو نہیں مانتی۔'' اس نے سختی سے کہہ کر آنکھیں موندلیں تو وہ کئی لمحے تک تاسف زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر چلی گئی۔

اس کے قدموں کی چاپ دور ہوئی تو اس نے آنکھیں کھول لیں۔ کمرے کی تنہائی وخاموشی اس کے اندر تک اترتی چلی گئی اور وہ کافی دیر تک ویران نگاہوں سے چھت کو گھورتی رہی۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ باہر خاموشی ہر سمت پہرے لگائے بیٹھی ہوتی ہے مگر اندر کی دنیا میں کہرام برپا ہوتا ہے' جذبات واحساسات کی چیخ وپکار سے روح کے تار جھنجھنا اٹھتے ہیں۔ اسی طوفان کی تندوتیز لہروں میں اس کی ذات لحہ لحہ ڈوب اور ابھر رہی تھی۔ اپنے بارے میں کسی بھی قسم کی خوش فہمی اسے کبھی نہ رہی تھی مگر تھوڑا بہت عزت نفس اور انا کا زعم نہ معلوم کس لمحے اس کے براجمان ہوگیا تھا جو اس کے سگے باپ نے پل بھر میں چکنا چور کردیا تھا۔ ان کی آمد پر دادی جان نے بڑے والہانہ انداز میں اسے آگے کرکے بیٹے سے کہا تھا۔

''رضوان! اپنی بیٹی کو تو سینے سے لگاؤ' پہلی بار مل رہے ہو بدنصیب سے۔''

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے اماں!'' وہ بے نیازی سے کہہ

کر اس کے سر پر دھیرے سے ہاتھ رکھ کر آگے بڑھ گئے تھے جب کہ سوتیلی ماں نے بے تاثر انداز میں اس کے رخسار کو بوسہ دیا تھا اور سوئیٹی نے مصافحہ کرنے پر اکتفا کیا تھا۔ وہ ویسی ہی تھی جیسے امیر گھرانے کی خودسر و مغرور لڑکیاں ہوتی ہیں۔ اسے اپنے حسن پر ناز تھا تو دولت پر ازحد فخر گھر کی کسی لڑکی کو اس نے ذرا بھی لفٹ نہیں دی تھی بلکہ لڑکوں کو بھی کبھی موڈ ہوتا تو لفٹ دیتی ورنہ سارا دن اس کا کمرے میں گزرتا تھا۔ ماں کی ازحد لاڈلی تھی رضوان صاحب بھی اپنی ساری شفقت و محبت اس پر لٹاتے تھے۔ سگی بیٹی کو ایک نگاہ پیار سے دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ تباشیر کی وجیہہ پرسنالٹی پر وہ عاشق تھی آفس سے آتے ہی پھر سارا وقت اس کے لیے ہی ہوتا تھا اور رضوان صاحب خود اس سے کہہ کر لاڈلی بیٹی کو سیر کے لیے بھیجتے وہ اس لمحے ہی ٹوٹ گئی تھی جب باپ کی بھرپور بے اعتنائی اور بے حسی کے مظاہرے نے اسے بالکل ہی بے مول و بے اورقعت کر ڈالا تھا۔ پھر اب تو کسی بھی رشتے کی کئی چاہ نہ رہی تھی۔ تباشیر پر تو اسے کبھی اعتبار نہ رہا تھا اس کی سنگت میں گزارے لمحات اسے گھبراہٹ بوکھلاہٹ اور پشیمانی کا شکار کر دیا کرتے تھے کجا کہ ساری حیات کا ساتھ یہ ناممکن تھا۔

وہ سوچوں میں گم تھی کہ برابر کے کمرے سے تباشیر کی تیز آوازیں سن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دادی جان! میں نہیں مانتا ان فرسودہ و جاہلانہ رشتوں کو آپ نے بچپن میں منگنی کر دی تھی تو مجھ سے پوچھ کر نہیں کی تھی۔ میری زندگی میں صرف ایک ہی لڑکی داخل ہو سکتی ہے اور وہ سوئٹی کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی اگر وہ نہیں تو کوئی اور نہیں ہرگز نہیں۔" اس کے دھیمے لہجے میں بھی ہٹ دھرمی اور ضدی پن نمایاں تھا۔

"ہوش کے ناخن لو بیٹا! تمہیں فیصلہ ماننے کا حکم دیا گیا ہے سنانے کا نہیں۔ تمہاری دلہن صرف ایک ہی لڑکی بنے گی اور وہ خولہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی خاندان قائم رکھنے کے لیے اپنی نسل بڑھانے کے لیے خولہ جیسی صابر اور باوصاف لڑکی کا انتخاب کر لیا گیا ہے۔ سوئٹی جیسی لڑکیاں گھر خراب تو کر سکتی ہیں مگر بسانے کے ہنر سے ناآشنا ہوتی ہیں۔"

"دادی جان! پلیز آپ اس کی انسلٹ مت کریں وہ ایسی نہیں ہے۔" وہ حزبز ہو کر بولا۔

"کسی اور کا نہیں ہے احساس تو میرا ہی خیال کر لو..... کیا وہ لڑکی خولہ جیسا آرام و محبت دے سکے گی مجھے؟ بے ثبوت خدمت کر سکے گی میری؟ پھر پرائے خون کی خاطر کیوں ہم اپنا خون رد کریں آخر کار اپنا اپنا ہی ہوتا ہے۔" چھوٹی امی کی آواز آئی تھی۔

"وہ چچا جان کی سوتیلی ہی سہی مگر بیٹی تو ہے اور میں امی جان! خون کے رشتوں سے زیادہ دل کے رشتوں کو اولیت دیتا ہوں ایسے رشتوں کو اہمیت دیتا ہوں جنھیں پا کر بندہ سکون اور مسرت و طمانیت کے احساسات سے سرشار رہے۔ بھلا وہ لڑکی مجھے کہاں مکمل طمانیت و راحت سے لبریز حیات دے سکتی ہے جو خود ادھوری ہے۔ اس کی سوچ احساس خواہش ہر عمل میں ادھورا پن ہے جس کی ذات ادھوری ہو میں ایسی لڑکی کو اپنا کر اپنی زندگی کی خوشیوں سے قبل از وقت دستبردار نہیں ہو سکتا....." تباشیر کا لہجہ استہزائیہ اور توہین آمیز تھا۔ خولہ کو رگوں میں لاوا دوڑتا ہوا محسوس ہوا اور لمحے بھر میں وہ فیصلہ کر کے اندر کمرے میں اس کے مقابل کھڑی ہو کر بولی.....

"تباشیر صاحب! کسی خوش فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے تم کیا انکار کرو گے میں خود انکار کرتی ہوں کہ میں تم جیسے کم ظرف و بے حس آدمی سے رشتہ جوڑنے سے بہتر موت سے رشتہ وابستہ کرنا اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی ایک بار نہیں ہزار بار لعنت بھیجتی ہوں میں اس رشتے پر....." اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے ازحد اطمینان سے کہا تھا۔

اس کی نگاہوں میں ایسی تپش اور لہجے میں ایسی کاٹ تھی کہ چند لمحے قبل فر فر بولنے والا تباشیر اس کے چہرے سے جھلکنے والا جاہ و جلال دیکھتا رہ گیا۔

Digest Novels Lovers Group

چھوٹی امی اور دادی جان بھی حق دق سی اس کی جرأت دیکھ رہی تھیں۔

"چھوٹی امی! آپ کو میں نہیں چھوڑوں گی' میری محبت' خدمت وخیال صرف اپنی ماں کے لیے ہے۔ بیٹے تو ایک وقت پر بدل جایا کرتے ہیں مگر بیٹیاں تو یونہی ماؤں کی خدمت کیا کرتی ہیں۔ بے لوث' بے غرض بغیر کسی لالچ کے......" وہ ان کی گود میں سر رکھ کر بولی تو وہ بے اختیار رونے لگیں۔ تباشیر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

رضوان صاحب نے بزنس شروع کردیا تھا اور اپنی فیملی کو لے کر علیحدہ کوٹھی میں شفٹ ہوگئے تھے۔ انہوں نے اماں کو ساتھ لانا چاہا تھا مگر ان کی بیگم نے اجازت نہیں دی تھی اور وہ ان کی مرضی کے بغیر ایک قدم بھی چلنے کے عادی نہیں تھے۔

ان کے جانے سے گھر میں سکون کی فضا چھا گئی تھی ورنہ وقت بے وقت کی ان کی فرمائش اور مہمانوں' دوستوں کی آمدورفت نے گھر کے بجٹ کے ساتھ ساتھ ان کی توانائیوں کو بھی کمزور کرڈالا تھا۔

رمضان المبارک کا رحمتوں بھرا مہینہ شروع ہوچکا تھا۔ سب روزے رکھنے کے عادی تھے۔ افطار کے وقت خوب رونق ہوتی تھی۔ سب کی فرمائشوں کو مدنظر رکھ کر اہتمام بھی بھرپور کیا جاتا تھا۔ افطار کا سامان لڑکیاں مل کر تیار کرتی تھیں' جب کہ سحری تائی امی اور چچی جان پکایا کرتیں۔

"سنو' کچھ کھانے کو لے آؤ...... سوئٹی کو بھوک لگی ہے......" وہ نماز ظہر کے بعد قرآن لے کر بیٹھی ہی تھی کہ تباشیر نے آکر اس سے کہا۔

"اچھا......" وہ اٹھ کر کچن میں آگئی۔ اس دن کے بعد سے ان دونوں کے درمیان گفتگو بالکل برائے نام رہ گئی تھی۔ وہ یاد سے اس کا ہر کام تیار کرکے پہلے ہی رکھ دیا کرتی تھی اور اس کی بھی یہی کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح اس سے مخاطب نہ ہونا پڑے۔ کبھی ازحد مجبوری کے عالم میں ہی مخاطب ہوتا تھا' وہ بھی نہایت مختصر انداز میں۔

فریج خاص ڈشوں سے بھرا ہوا تھا۔ خولہ نے اس کی پسند کے لحاظ سے فرائیڈ فش' قیمہ مٹر اور ماش کی دال نکال کر گرم کرلی تھی' ساتھ ہی پھلکے بنا کر سلاد اور رائتہ تیار کرکے ٹرالی میں رکھ رہی تھی کہ ہادیہ اور نمرہ کچن میں داخل ہوکر حیرانی سے گویا ہوئیں۔

"خیریت! کون مہمان آگیا جس کے لیے روزے میں اتنا خوار ہورہی ہو؟"

"سوئٹی!" اس نے برنر بند کرکے صافی سے خشک آٹا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"سوئٹی نہیں' اس کا نام تو پوائزن ہونا چاہیے تھا۔ کس قدر بے ہودہ لڑکی ہے' حیا تو چھو کر بھی نہیں گزری اسے۔ ہر روز منہ اٹھا کر آجاتی ہے روزے میں تنگ کرنے کے لیے۔ بندہ خود روزے نہ رکھے مگر روزہ داروں کا تو احترام کرلے۔ مگر لگتا ہے' احترام واحساس تو ان ماں' بیٹی کو چھو کر گزرا ہی نہیں۔ آنٹی بھی کئی مرتبہ آچکی ہیں اور ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی بہانہ ہوتا ہے روزہ نہ رکھنے کا۔"

"تم نے ایک بات نوٹ کی' ہم لوگوں کو انہوں نے صرف ایک بار کہا تھا کہ ان کی شاندار کوٹھی دیکھنے آئیں مگر اس کے بعد وہ دوسرے' تیسرے دن خود ہی چلی آتی ہیں کہ کہیں ہم نہ وہاں پہنچ جائیں اور انہیں مہمان داری کرنا پڑجائے......" ہادیہ خاصی تپی ہوئی تھی۔

"کنجوس نمبرون ہیں۔ ہمیں گفٹ کیسے دیئے تھے' استعمال شدہ پرفیومز' گھسی پٹی میک اپ کٹس جو ہم نے ایک بار بھی استعمال نہیں کی اور......"

"بس...... بس خاموش رہو۔ کیوں اپنا روزہ مکروہ کررہی ہو' کم ازکم روزے میں تو ان باتوں سے پرہیز کیا کرو۔" اس نے ٹرالی گھسیٹتے ہوئے تنبیہی لہجے میں کہا۔

"غلط تھوڑی بول رہے ہیں اور اس بات کا خیال تو تباشیر بھائی کو رکھنا چاہیے' خود تو پورے روزے رکھتے ہیں اور اپنی اس کچھ لگتی کو روزے رکھنے کی فضیلت نہیں بتاتے۔" وہ انہیں یوں ہی بک بک کرتا چھوڑ کر تباشیر کے

کمرے میں چلی آئی۔

وہ کمپیوٹر پر مصروف تھا‘ جب کہ سوئٹی مزے سے اس کے بیڈ پر اوندھی لیٹی میگزین دیکھنے کے ساتھ ساتھ کچھ گنگنارہی تھی جس کے ساتھ اس کی اوپر کو اٹھی پنڈلیاں تھرک رہی تھیں۔ پرپل اسٹریٹ پینٹ کے لوز پائنچے ٹانگیں اوپر ہونے کی باعث نیچے ہوگئے تھے۔اس کی شفاف گوری اور سڈول پنڈلیاں عریاں تھیں۔خولہ دروازے میں کھڑی رہ گئی۔ ناگوار احساسات سے اس کا دل دھڑک اٹھا۔ اس گھر میں لڑکیاں باپ بھائیوں کے سامنے سر ڈھکے بنا نہیں آسکتی تھیں اور یہاں بے حیائی کے اس گھٹیا ترین منظر نے اسے منجمد کرڈالا تھا۔ اسی لمحے تبا شیر نے بھی مانیٹر پر سے نگاہ اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا‘ اس کے انداز پر دوسری نگاہ سوئٹی پر پڑی تھی جو لمحے کے ہزارویں حصے میں بوکھلا کر ہٹائی گئی تھی۔

’’اندر لے آؤ...... وہاں کیوں کھڑی ہو گئیں...... ‘‘ اس نے گہری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے نارمل لہجے میں کہا۔ فیروزی سادہ سوٹ میں اس کی گلابی رنگت میں کچھ ایسی جاذبیت اور پاکیزگی کا نور تھا کہ وہ بے ارادہ ہی اس طرف دیکھے گیا۔

’’تھینکس گاڈ! تم لنچ لے آئیں ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا‘ میں بھوک سے مرجاؤں گی‘‘...... وہ تبا شیر کی آواز پر اس کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگی۔

’’کچھ اور تو نہیں چاہیے؟‘‘ وہ ہر موقعے پر بہترین مہمان نواز ثابت ہوئی تھی۔

’’ہوں...... ایک گھنٹے بعد کافی لے آنا‘‘...... شاہانہ انداز میں حکم ملا تھا۔

☆☆☆

بڑے ماموں نے نئی برانچ اسلام آباد میں بنائی تھی اور اس کا چارج فیضان نے سنبھالا تھا۔ گھر میں کوئی بھی اسلام آباد سیٹل ہونے کو تیار نہ تھا کہ کراچی جیسی گہما گہمی صرف کراچی میں ہی نظر آتی ہے۔ فیضان کو ویسے بھی ان کی اتنی ضرورت نہیں تھی۔ وہ گھر میں دادی سے فری تھا‘ ان کے قریب تھا‘ سو خولہ کے اصرار پر وہ انھیں اپنے ساتھ اسلام آباد لے گیا تھا۔ وہاں جاکر دادی جان از حد خوش تھیں‘ جبکہ گھر میں وہ بے قدری کا شکار تھیں۔

فیضان نے انھیں پورے بنگلے کی حکمرانی سونپ دی تھی۔ پہلی بار انھیں اپنی حیثیت و مرتبے کی شناخت ہوئی تھی۔ ان کا اعتماد اور بردباری لوٹ آئی تھی۔

خولہ بہت خوش تھی۔ اس کی پہلی خواہش تھی‘ وہ انھیں پر اعتماد و بااختیار دیکھنا چاہتی تھی جو فیضان کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔ جس کے لیے وہ تہہ دل سے اس کی ممنون تھی اور مطمئن بھی۔ وہ جانتی تھی کہ ایک بار پنچھی کو پنجرے سے آزادی نصیب ہوجائے تو وہ آخری سانس تک غلامی وقید کی زندگی نہیں گزار سکتا‘ ہمت وحوصلے سے ہر جال کو کاٹ دیتا ہے۔

’’فیضان! تم بہت گریٹ ہو‘ بہت اچھے‘ اتنے پیارے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس دھرتی پر کوئی فرشتہ بھی انسان کے روپ میں موجود ہوسکتا ہے۔‘‘ اس کا فون آیا تو وہ بے اختیار کہہ اٹھی تھی۔

’’ہاں...... ہا...... پھر بتاؤ‘ بارات لے کر کب آؤں؟‘‘ دوسری جانب سے وہ قہقہہ لگا کر گویا ہوا۔

’’شٹ اپ‘ بات کو غلط رنگ مت دیا کرو۔‘‘

’’غلط نہیں‘ خوشی کا رنگ دے رہا ہوں......‘‘ وہ شوخ ہوا۔

’’پلیز فیضان! تم مجھے عزیز ہو‘ پسند ہو‘ اتنی ہی محبت کرتی ہوں‘ میں تم سے جتنی اگر میرا کوئی بھائی ہوتا تو اس سے کرتی۔ شاید وہ بھی مجھے اتنی محبت واپنائیت کا احساس نہ دے پاتا۔ جیسا تم سے ملا ہے اور ضروری نہیں ہمارا فخر ہمارا مان سگے خون سے ہی وابستہ ہو۔ بے لوث محبتیں ہمیشہ پائیدار ہوتی ہیں۔ اور پھر جو ہمیں معمولی سی بھی اہمیت دے‘ ہمیں چاہے ہمارا خیال رکھے اپنائیت کے یہ مظاہرے تاحیات اس کا گرویدہ بنا ڈالتے ہیں۔‘‘ اس کی آواز بھیگنے لگی تھی۔

’’اُف...... ایک تو تم لڑکیوں میں یہ بھائی بنانے کی عادت بہت گھٹیا ہوتی ہے۔ کردی نہ ساری محنت برباد‘ سارے خواب بے رنگ کردیئے‘‘...... اس نے

مصنوعی خفگی سے کہا۔

"کیوں اپنی نیکیاں برباد کررہے ہو؟"

"اب تو مما کو زارا کے لیے "ہاں" کرنا ہی پڑے گی، تم نے تو ہری جھنڈی دکھادی ہے۔" اس نے خاصے درد بھرے لہجے میں کہا تھا مگر لہجے میں چھپی بشاشت وشوخی نے اس کے ذہن سے کئی بوجھ اُتار پھینکے تھے پھر دادی جان سے کافی دیر بات کرکے اس کے اندر سکون اتر گیا تھا۔

☆☆☆

گھر میں رونق عروج پر تھی۔ چاروں لڑکیاں اپنی سسرالوں سے آئی ہوئی تھیں۔ جن میں سویرا بہت خوش اور مطمئن تھی۔ بالآخر اس کی فرض شناسی اور صبر رنگ لے آیا تھا، سسرال میں اسے وہ مقام مل گیا تھا جس کی وہ تمنائی تھی۔ اس کی چھوٹی نند جو اصل فساد کی جڑ تھی، اسے اللہ نے ایسی ہدایت دی کہ نہ صرف اس نے اس کی عزت کرنا شروع کی بلکہ ماں بہنوں کو بھی راہ راست پر لے آئی۔ گھر کے ماحول مزاجوں کے بدلنے سے ہی بدلتے ہیں، انھیں صحیح وغلط کی تمیز ہوئی تو غلط فہمیاں اور بدگمانیوں کا اندھیرا چھٹ کر محبت ویگانگت کی روشنی پھیل گئی تھی۔ مل کر رہنے کا اصل لطف جب ہی آتا ہے، جب ہم ایک چھت تلے رہتے ہوئے ایک دوسرے کی پریشانیاں اور خوشیاں سچے دل سے شیئر کریں اور اس کے لیے لازمی ہے کہ ہم بڑوں کا لحاظ وادب ہر حال میں کریں اور بڑے بھی چھوٹوں سے شفقت ومحبت سے پیش آئیں۔ انھیں بہت پیار سے غلط باتوں سے دور رہنے کی تلقین کریں کہ ہمارے مذہب سے ہمیں یہی درس ملتا ہے۔

سویرا خوش تھی، دادی جان کی ازحد احسان مند تھی کہ انہوں نے بالکل درست موقع پر اسے گائیڈ کیا تھا اگر وہ بھی عام عورتوں کی طرح اسے گھر بیٹھا لیتیں اور سسرال کے خلاف کردیتیں تو وہ کبھی بھی اصل مسرتوں سے فیضیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ اسے خوش دیکھ کر سب خوش تھے۔

عید پر دادی جان نے تائب اور تبارک کی منگنیوں کا پروگرام ترتیب دیا تھا۔ سو اب دھری تیاریاں ہورہی تھیں، تائبہ اور ہادیہ سلائیوں میں مصروف تھیں۔ تایا جان چچا جان، دادی اور تائی چچی اور چھوٹی امی کے ہمراہ تراویح کے بعد نہ معلوم بند کمرے میں کیا میٹنگیں کررہے تھے جن میں ایک دن تابا شیر نے بھی شرکت کی تھی۔

☆☆☆

"کیا بات ہے ڈیئر! بہت خاموش ہو، کوئی پرابلم ہے کیا؟" سوئٹی نے آئسکریم کھاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا، وہائٹ کاٹن کے سوٹ میں اس کی اجلی اجلی رنگت نمایاں تھی۔

"نہیں..... بھلا مجھے کیا پرابلم ہوسکتی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"میری موجودگی میں تمہیں کوئی پرابلم ہونی بھی نہیں چاہیے۔" اس نے خاصے اترا کر کہا۔

"کیوں؟"

"میرے تمام بوائے فرینڈز مجھ سے یہی کہتے تھے کہ میری کمپنی میں کوئی بور نہیں ہوسکتا۔"

"کتنے بوائے فرینڈز تھے تمہارے؟" اس کے اندر تپش سی پھیل گئی تھی۔

"یاد نہیں....." اس نے فخر سے کندھے اچکا کر جواب دیا پھر اس کی جانب دلربائی سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔ "جب میں نے انکل کے پاس تمہاری اسنیپ دیکھی تو مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ پاکستان میں بھی کوئی بوائے اس قدر بیوٹی فل ہینڈسم پرسنالٹی والا ہوسکتا ہے اور تمہیں دیکھ کر احساس ہوا کہ تم تو تصویر سے بھی بڑھ کر ہو....." اس کے انداز میں اس قدر بے باکی اور خود اعتمادی تھی کہ لمحے بھر کو تو وہ بھی پزل ہوگیا تھا۔

"یعنی تم صرف میری خاطر آئی ہو؟" اس نے ہونٹوں سے دھواں خارج کرتے ہوئے کہا۔

"یس..... تمہاری خاطر ہی کلائیو کو چھوڑا ہے میں نے ورنہ اب تک تو ہم میرڈ ہوچکے ہوتے۔ بہت جان دیتا تھا مجھ پر اور مجھے بھی بہت پسند تھا مگر جب تمہیں

Digest Novels Lovers Group

دیکھا تو سب کچھ بھول گئی۔"

"اگر کوئی مجھ سے بھی حسین مل گیا تو کل تم مجھے بھی چھوڑ دو گی؟" اس کی مسکراہٹ میں کاٹ تھی۔

"کیا تم سے زیادہ کوئی اور خوب صورت ہو سکتا ہے؟"

"ہاں..... حسن مجھ پر تو ختم نہیں ہوتا....."

"اوہ کم آن' کیا بور ٹاپک لے کر بیٹھ گئے ہو..... تمہیں اچھی باتیں کرنی نہیں آتیں۔"

اس نے جھنجلا کر آئسکریم کا خالی کپ ٹیبل پر رکھا اور پرس میں سے لپ اسٹک اور مرر نکال کر ہونٹوں پر لپ اسٹک کا نیا کوڈ پھیر لیا۔

"اگر دادی جان دیکھ لیں تمہیں اس طرح میک اپ میں اس مبارک ماہ میں تو ایسی ڈانٹ پڑے گی کہ پھر کبھی میک اپ کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ گی۔" اس نے شوخی سے کہا۔

"مائنڈ یو مسٹر! وہ آپ کی گرینڈ مدر ہیں' میری نہیں میں بھی ان کو ایسا جواب دوں گی کہ ڈانٹنا بھول جائیں گی مجھے تو ماما بھی کچھ نہیں کہہ سکتیں۔" وہ نخوت سے بولی۔

"وہ انکل رضوان کی مما ہیں تو اس حوالے سے تمہاری بھی گرینڈ مدر ہوئیں۔"

اس کے گستاخانہ انداز پر اس کا دماغ گھوما تھا مگر ریسٹورینٹ کا خیال کر کے ضبط کرنا پڑا۔

"انکل رضوان میرے فادر نہیں ہیں۔ میرے فادر اس ملک کے سب سے بڑے بزنس مین تھے' ان کے آگے انکل کی کوئی ویلیو نہیں ہے۔ انہوں نے میرے فادر کی دولت پر قبضہ جمانے کے لیے ماما سے شادی کی تھی اور اس وقت کاروباری دشمنوں کی وجہ سے ماما کو مضبوط سہارے کی ضرورت تھی' چنانچہ ماما نے مجبوری میں ان سے شادی کی اور جاپان چلی گئیں....."

"چلو' تمہیں گھر ڈراپ کر دوں....." اس سے ضبط نہ ہوا تو بھنا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کا بگڑا ہوا موڈ اور سرخ چہرہ دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ وہ کیا بول رہی تھی مگر وہ کیا کرتی کہ اس نے رضوان صاحب کو کبھی عزت دی ہی نہ تھی۔ وہ اس کے لیے کبھی بھی قابل احترام نہیں رہے تھے۔

راستہ بالکل خاموشی سے کٹا تھا۔ وہاں جا کر مسز رضوان نے اسے زبردستی روک لیا تھا۔

"بیٹا! کافی پی کر جانا' مجھے معلوم ہے' اس سر پھری لڑکی نے اتنے سرد موسم میں بھی آئسکریم پسند کی ہوگی' بیٹھ جاؤ ملازمہ کافی لا رہی ہے۔" انہوں نے زبردستی اسے بٹھایا تھا۔

"جاپان سے احمد کی کال آئی ہے' اس کی وائف کے ڈلیوری ہونے والی ہے' اس نے ہمیں بلایا ہے۔ ہمیں جلد ہی جانا ہوگا' دوبارہ اتنی جلدی کہاں آنا ہوگا۔ میں چاہتی ہوں آپ جلد ہی اپنے گھر والوں کو بھیجیں تاکہ جلد سوئٹی سے فارغ ہو کر ہم جائیں۔"

"گھر والوں کی آمد سے سوئٹی کی فراغت کا کیا تعلق ہے؟"

"آپ کے ہاں سے پرپوزل آئے گا' تب ہی تو میں سوئٹی سے آپ کی شادی کروں گی....."

"آپ سے کس نے کہا کہ میں سوئٹی سے شادی کروں گا؟"

"کیا..... کیا کہہ رہے ہیں بیٹا؟ سوئٹی کے ساتھ اس قدر انڈر اسٹینڈنگ اور....."

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے آنٹی! میں نے تو مہمان نوازی نبھائی تھی' حیرت ہے اتنے ایڈوانس ماحول میں موو کرنے کے باوجود آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں سوئٹی سے شادی کروں گا۔"

"لیکن..... لیکن میں نے تو جاپان میں احمد سے آپ کے لیے فرم خریدنے کے بات کی ہے تاکہ آپ بھی جاپان جا کر دولت کما سکیں' یہاں کیا رکھا ہے پھر سوئٹی آدھی جائداد کی خود مالک ہے۔"

"دولت کی مجھے یہاں بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ بہت جلد میں اپنی نئی فرم کا افتتاح کرنے والا ہوں' تایا جان نے بہترین علاقے میں سب کی کوٹھیاں الگ الگ خریدی ہیں جو اب تعمیر کے آخری مراحل میں ہیں۔ ویسے بھی مردوں کو اپنے قوت بازو کی کمائی پر گزارا کرنے کی عادت ہونی چاہیے ورنہ اس میں اور گلی کے آوارہ کتے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔" اس نے اٹھتے ہوئے دوٹوک

Digest Library .com

لہجے میں کہا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تباشیر! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' سوئٹی جو سکتے کی کیفیت میں اس کی باتیں سن رہی تھی، تڑپ کر گویا ہوئی۔

''میں نے کبھی بھی تمہیں سہانے خواب نہیں دکھائے اس لیے تم مجھے الزام نہیں دے سکتیں، اور ایک بات، یہ ہم مردوں کا المیہ ہے کہ ہم کتنے ہی ماڈرن کیوں نہ ہو جائیں مگر اپنے سے وابستہ رشتوں کو کھرا اور شفاف دیکھنا پسند کرتے ہیں اور کچھ دیر قبل جو تم نے دادی جان اور انکل کی شان میں گستاخی کی ہے، تمہاری اس بدتمیزی نے تمہیں میرے دل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال پھینکا ہے، تمہاری رسائی اب میرے خیالوں تک بھی ناممکن ہے۔''

ملازمہ کافی لے آئی تھی مگر وہ کافی پیے بغیر سیدھا گیٹ کی سمت بڑھ گیا۔

☆☆☆

خضر فیروز کا رشتہ ہادیہ کے لیے آیا اور دادی جان نے فوراً ہی منظور کر لیا کیونکہ وہ دیکھے بھالے لوگ تھے۔ ہادیہ کو حیرت تھی کہ بھلا اس کو اس میں ایسی کیا خوبی نظر آئی تھی جو اس نے اسے پسند کیا تھا حالانکہ اس دن غصے میں اس سے خاصی بدتمیزی سرزد ہو گئی تھی کہ وہ اسے کوئی فقیر سمجھ کر دھتکار چکی تھی۔ وہ کسی کام سے کراچی آیا تھا اور دو دن یہاں رہا تھا۔ اور بہانے بہانے سے اپنے پاس خاصے بھاری نوٹوں کی موجودگی کا احساس دلاتا رہا تھا۔ آج کل وہ ان کی چھیڑ چھاڑ کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔

''خولہ! تم نے ایک تبدیلی نوٹ کی؟'' وہ کچن صاف کر کے ہاتھ دھو رہی تھی کہ ثانیہ نے برتن کیبن میں لگاتے ہوئے کہا۔

''کون سی تبدیلی؟''

''تباشیر کا آفس کے بعد کا سارا وقت اب گھر میں گزرنے لگا ہے۔''

''ہاں...... آج کل چھوٹی امی اور دادی جان بہت خوش ہیں ورنہ کچھ عرصے سے وہ انھیں فراموش کر بیٹھا تھا۔''

''وہ سب سوئٹی کی سنگت کا اثر تھا، شاید اب ان لوگوں میں کچھ ان بن ہو گئی ہے جو نہ وہ آ رہی ہے اسے بھی گھر والوں کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔''

''چلو بچیو! سو جاؤ بہت وقت ہو گیا ہے پھر سحری میں اٹھنے میں پریشانی ہو گی۔'' تائی امی وہاں سے گزریں تو روشنی دیکھ کر کچن میں آ کر ان سے مخاطب ہوئیں۔

☆☆☆

رمضان کا آخری عشرہ چل رہا تھا۔ بالکل غیر متوقع طور پر اس نے سنا کہ تباشیر نے اس سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اس کا تو غم و غصے سے برا حال ہو گیا، یہ سن کر، مگر ایک طرح سے اسے خوشی بھی ہوئی تھی کہ بڑوں کی طرف سے اس پر کوئی زبردستی نہیں تھی۔ مگر گھر کی تمام لڑکیوں کی یہی کوشش تھی کہ وہ تباشیر کو معاف کر دے۔ اور وہ ایسی کسی سخاوت اور دریادلی کے مظاہرے کے لیے تیار نہیں تھی۔

''میں بھلا کس طرح اس مکمل شخص کا ساتھ دے سکتی ہوں۔ میری خواہش اور جذبات تشنہ ہیں، میرا ہر عمل ادھورا ہوتا ہے، میری ذات کی طرح، میں ہمیشہ کی غاصب، لٹیری اور دوسروں کی محبتوں میں حصے بٹورنے والی اس قابل کہاں ہوں۔'' نمرہ اور ہادیہ کے بار بار کہنے پر وہ سخت لہجے میں بولی۔

''تمہاری ادھوری ذات ان کا ساتھ پا کر مکمل ہو جائے گی، فکر کیوں کرتی ہوں۔'' نویرا ہنس کر بولی۔

''تم لوگوں سے تو بات کرنا ہی فضول ہے......'' وہ بھنا کر لاؤنج سے نکلی تھی اور اندر آتے ہوئے تباشیر سے پوری شدت سے ٹکرائی تھی۔

''آنکھیں بھی کمزور ہو گئی ہیں کیا تمہاری؟'' اس نے پیشانی سہلاتے ہوئے کہا۔ جواباً وہ خاموش رہی اور جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

''مجھ سے بات بھی نہیں کر رہیں، کیا ناراض ہو؟'' وہ اس کے پیچھے ٹیرس پر چلا آیا۔ ماحول میں خنکی تھی، ہوا سرد تھی، خوابیدہ ماحول پر خاموش سکوت چھایا ہوا تھا۔

Digest Novels Lover Group

چھبیسویں شب کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

''نہیں......'' اس کی سپاٹ آواز میں کوئی ایسی بات ضرور تھی، جس کے احساس سے تیاشیر کے لبوں پر مسکراہٹ پل بھر کو چمک کر معدوم ہوگئی۔

''تم نے فیضان کی خاطر مجھے ریجیکٹ کیا تھا' جب کہ......''

''پلیز میں اس ٹاپک پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتی اور آپ کو فیضان کے بارے میں کسی بھی گھٹیا انداز میں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے تیزی سے کہہ کر آگے بڑھنا چاہا کہ اسی لمحے اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بات سنو میری پھر جانا' یہ درست ہے کہ مجھے تم سے پہلے بہت ساری شکایتیں تھیں' شکوے تھے مگر باشعور ہونے کے بعد مجھے اپنے رویے پر شرمندگی تھی' میں نے خود کو کافی حد تک بدلا اور زیادہ تر کوشش کی کہ کوئی ایسی بات نہ کروں جس سے تمہیں تکلیف ہو۔''

''مجھے تو کوئی ایسی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔'' اس نے کھٹ سے جواب دیا۔

''محسوس کرنے سے ہر بات محسوس ہوتی ہے اور تم میں ایسی حس کہاں ہے۔''

''ہاں...... میں تو ہوں ہی بے حس اور ادھوری......''

''پلیز...... پلیز! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو' مجھے اعتراف ہے کہ مجھے یہ غلط فہمی شروع سے ہی تھی کہ تم فیضان میں انٹرسٹڈ ہو اور یہ خیال میرے اندر ایسی آگ سی بھڑکا دیا کرتا تھا کہ اس کی تپش میں مبتلا ہو کر میں تم سے زیادتی کر جایا کرتا تھا۔'' چند لمحے خاموش رہ کر اس نے اس کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھا پھر گویا ہوا۔

''اسی فرسٹریشن کا شکار ہو کر میں سوئٹی کی طرف بڑھا تھا' پہلے پہل اس کا ساتھ مجھے بہت اچھا لگا مگر بہت جلد اس کی بے باک فطرت اور آزاد خیال طبیعت نے مجھے بے چین و بددل کر دیا پھر بالکل غیر ارادی طور پر تمہارا اور اس کا موازنہ کیا کہ' ہم سالوں سے ساتھ رہتے آرہے ہیں جن میں بے شمار موقعے تنہائی کے بھی ملے ہیں اور اس دوران ہمارے درمیان کوئی چیپ حرکت ہونا تو درکنار ہم ایک دوسرے کو نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ مگر سوئٹی...... خیر اس کے سنگ رہ کر میں نے جانا کہ حیا و لجاجت' بے حیائی و بے غیرتی میں کیا فرق ہوتا ہے...... اور سب سے زیادہ پاورفل احساس یہ ہوا کہ......'' اس نے بھرپور نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارے وجود کا اتنا عادی ہو گیا ہوں کہ تصور میں بھی تم سے جدائی برداشت نہیں ہو سکتی......'' اس کے بھاری لہجے میں جذبوں کے ان گنت پھول کھلے ہوئے تھے۔

''مجھے معلوم ہے' یہ کوئی نیا پلان ہے' مجھے بیوقوف بنانے کا۔''

''تم نہیں سدھر سکتیں۔'' اس کا دماغ ایک دم ہی گھوما تھا۔ ''تمہیں معلوم ہے' مجھ سے کوئی زبردستی اپنی بات نہیں منوا سکتا۔ میں نے پہلے فیضان سے فون کر کے معلوم کیا تھا۔ وہاں سے او کے کا سگنل پا کر میں نے دادی جان اور تایا جان وغیرہ سے تمہارے لیے ہامی بھری تھی۔ ورنہ تایا جان تو دادی کو منا چکے تھے' سوئٹی کو بہو بنانے کے لیے۔ میری بات پر یقین نہ آئے تو ان سے معلوم کر لو' انہوں نے اس شرط کے ساتھ ہامی بھری تھی کہ میں نے تمہارا دل دکھایا ہے سو مجھے ہی تمہیں منانا بھی پڑے گا۔''

''اگر میں نہ مانوں تو؟'' اس نے دھیمے سے کہا۔

''تو تمہیں یہاں سے دھکا دے کر خود بھی چھلانگ مار لوں گا۔''

''زبردستی ہے کیا؟''

''بالکل' دیکھا' سچی بات کڑوی تو ہوتی ہے مگر تاثیر شہد کی رکھتی ہے۔ اس دن میری باتوں نے تمہیں زک تو پہنچائی ہے مگر تمہیں مکمل بھی کر دیا ہے' اس لیے کہ اس دن کے بعد سے تم نے کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑا ہے۔'' اس نے شرارت سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''میں چاہتا ہوں' یہ عید تمہاری زندگی کی مسرتوں سے لبریز یادگار عید ہو' جسے تم تاحیات نہ بھلا سکو۔ آج سے

تمہارے تمام دکھ میرے اور میری تمام خوشیاں تمہاری' دراصل تمہاری بے لوث محبت نے امی کے ساتھ ساتھ مجھے بھی مسخر کرلیا ہے۔''

''کہاں تو تو ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے یا یہ عالم ہے کہ راز و نیاز ختم ہونے میں نہیں آرہے' نیچے چلیں فیضان چچا آئے ہیں۔'' ہادیہ نے وہاں آکر کھری کھری سنائی تھیں۔

''میں سحرش کا گناہ گار ہوں اماں! مجھے میرے گناہوں کی بہت سزا ملی ہے۔ سحرش کی موجودگی میں میں نے عافیہ سے نکاح دولت کے لالچ میں کیا تھا۔ مگر یہاں سے ہی میری بدنصیبیوں کا آغاز ہوگیا تھا۔ میں اس کے ساتھ جاپان چلا گیا اور وہاں جاکر مجھے معلوم ہوا کہ جسے میں نے بے بس ساتھ بیوہ سمجھ کر نکاح کیا تھا' وہ بہت بڑی شاطر اور مکار عورت ہے اور ازحد کنجوس بھی' وہاں جاتے ہی اس نے میرا پاسپورٹ اپنے قبضے میں کرلیا۔ رات دن مجھے مشین کی طرح کام کرنا پڑتا تھا۔ پیسہ تو میرے ہاتھ میں بالکل بھی نہیں دیتی تھی' فون پر بھی آپ لوگوں سے بات کبھی اتفاقاً ہی ہوتی تھی' جب وہ کسی وجہ سے میرے سر پر سوار نہ ہوتی تھی' یہ آپ کی دعائیں بھی تھیں جو سوئٹی کی وجہ سے وہ یہاں آنے پر تیار ہوئی تو مجبوراً مجھے بھی ساتھ لانا پڑا اور اس پر بھی یہ شرط تھی کہ میں اپنی بیٹی سے نہیں ملوں گا۔'' فیضان اماں کے قدموں میں بیٹھے رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

''میں جو اسے برسوں سے دیکھنے' سینے سے لگانے کی آرزو لیے جی رہا تھا' عزت کی خاطر یہ وار بھی سہہ گیا مگر اب میرے صبر کی طنابیں ٹوٹ گئیں' جب ان ماں' بیٹی نے مجھے مجبور کرنا چاہا کہ میں یہاں آکر تباشیر کو راضی کروں سوئٹی سے شادی کرنے پر' اور میں لعنت بھیج کر آگیا ان کی بے مول غلامی پر' میں نے بہت سزا کاٹی ہے اماں! کیا آپ کے قدموں میں جگہ ملے گی مجھے؟ کیا میری بیٹی اور میرے اپنے مجھے معاف کردیں گے؟ بہت خطاوار ہوں میں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تو اماں نے بہتے آنسوؤں سمیت انھیں سینے سے لگا کر کہا۔

''یہ گھر تمہارا ہے' سب تمہارے اپنے ہیں' کوئی تم سے خفا نہیں ہے اور خولہ کس طرح باپ سے ناراض رہ سکتی ہے۔''

تایا خولہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کی طرف لے آئے تو باپ کے کشادہ سینے سے لگ کر اس نے اتنے آنسو بہائے کہ تمام تشنگی اور برسوں کا غبار دھل کر صاف ہوگیا۔

☆☆☆

عید کا چاند نظر آگیا تھا ہر سو خوشیوں اور شادمانیوں کے رنگ چمک اٹھے تھے۔ گھر میں نئے سرے سے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ گھر کی خواتین کچن سنبھال چکی تھیں۔ وہ سب چوڑیوں اور مہندی کے چکروں میں الجھ رہی تھیں۔

''خولہ! کیا کررہی ہو بیٹا!'' چھوٹی امی اسے وارڈ روب میں گھسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

''کل پہننے کے لیے سوٹ دیکھ رہی ہوں' یہیں رکھا تھا مگر اب نہیں مل رہا۔''

''مل جائے گا' پرسوں پہن لینا۔ کل پہلی عید ہے تباشیر کے ساتھ جاکر کوئی خوب صورت سا سوٹ لے کر آؤ۔ اور میچنگ کی ہر چیز لے کر آنا۔'' اس کے انکار سے قبل ہی انہوں نے تباشیر کو آواز دی تھی جو فوراً چلا آیا تھا۔

چاندرات کی رونق عروج پر تھی۔ رنگ برنگی روشنیاں ہر سو بکھری ہوئی تھیں۔ تباشیر کے ہمراہ فرنٹ سیٹ پر وہ خاصی نروس سی بیٹھی ہوئی تھی۔

تباشیر کے چہرے پر الوہی مسرتوں کی روشنی تھی' وہ جذبے لٹاتی نگاہوں سے بار بار اسے دیکھ کر گنگنا رہا تھا۔

عید کا چاند آج دیکھا ہے
ہر کلی یوں ہی سدا ہی مسکرائے
ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہوں
کاش ایسی عید بار بار آئے''

Digest Novels Lovers Group